پُھلکاری
اشفاق احمد

ترتیب

معارفہ

میرے یہ افسانے آپ کے لئے بالکل نئے اور ایک اعتبار سے غیر مطبوعہ ہیں کہ میں نے انہیں ۵۲ - ۱۹۵۱ء کی درمیانی مدت میں لکھا اور اس میں سے بیشتر اس زمانے کے معروف اخبار "احسان" کے سنڈے ایڈیشن میں شائع ہوئے۔ ظاہر ہے کہ یہ آپ کی نظر سے نہیں گزرے ہوں گے ماسوائے ایک کہانی "داؤ" کے جو دو سال تک پنجاب کے اردو میٹرک کورس میں پڑھائی جاتی رہی، پھر زبان کے سقم کی وجہ سے اسے نصاب سے خارج کر دیا گیا۔

اردو زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں بے شمار الفاظ اور تراکیب ایسی ہیں جو لغتوں میں تو موجود ہیں لیکن ان کا استعمال اب متروک ہو گیا ہے۔ انہیں ترک کرنے کا سہرا اردو کے مشہور شاعر امام بخش ناسخ کے سر بندھتا ہے جو پنجابی الاصل تھے اور جنہوں نے کمال ہمت سے اردو زبان کو ایسے الفاظ سے پاک کیا جن کا تعلق دکھنی، اودھی، باگڑی اور برج بھاشا وغیرہ سے تھا۔ یہ الفاظ عوام الناس اپنی روزمرہ بول چال میں اب بھی استعمال کرتے ہیں لیکن ناسخ نے شرفا کو ایسے الفاظ اپنی تحریر و تقریر میں لانے سے منع کیا اور اردو کو قلعہ معلی کی زبان بنانے میں مسلسل محنت اور لگن سے کام کیا۔

میں ایسے الفاظ کو کہ پاکستان کی زبانوں میں اب بھی مستعمل ہیں اور آج کی تحریر و تقریر کا ایک اہم حصہ ہیں، اردو کے خوابیدہ الفاظ سے موسوم کرتا ہوں کہ لغتوں میں تو موجود ہیں لیکن اپنی نسبتی خفت کی وجہ سے آگے بڑھ کر نجیب الطرفین الفاظ کے ساتھ شامل ہونے سے گھبراتے ہیں۔ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا البتہ گمان غالب ہے کہ آگے چل کر خانوادہ اردو میں کوئی ایسا مضبوط لسانی عنصر پیدا ہو جائے جو اشتہار عام سے ان خانہ گریختہ الفاظ کو اس

اعلان کے ذریعے معافی دیدے کہ "واپس گھر آجاؤ. تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

یہ افسانے لکھتے وقت دکھنی زبان کے سیر حاصل مطالعے اور پاکستانی زبانوں سے شناسائی کی بنا پر میں کہانی تو اپنی روانی میں لکھتا گیا لیکن افسانہ مکمل ہو جانے پر جہاں جہاں مجھے شک گزرا اردو لغتوں. عہد انگریزی کے منشیوں کی مرتبہ ڈکشنریوں اور دکھنی ادب کی کتابوں کے آخر میں الفاظ و معانی کے اشاریوں سے اپنا شک دور کرتا رہا۔ بہت ممکن ہے میری جلد بازی کی بنا پر ان افسانوں میں کوئی لفظ اردو کے خوابیدہ الفاظ سے باہر کا بھی آگیا ہو تو اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں کہ بنیادی طور پر میں ایک افسانہ نگار ہوں. محقق نہیں۔

اتنے برس بعد ان افسانوں کے پروف پڑھتے ہوئے مجھے دو افسانوں میں پلاٹ کی یکسانیت کا احساس بھی ہوا لیکن وہ میری افسانہ نگاری کا ابتدائی دور تھا۔ میرے ساتھ تو اس آخری دور میں بھی بے شمار لغزشیں اور نار استیاں وابستہ ہیں. ابتدائی دور کی خامیوں کے لئے کس منہ سے معافی مانگوں!

حال ہی میں دکھنی اردو کی طرز پر ایک ناولٹ بھی شروع کیا ہے. پتہ نہیں پورا بھی ہو گا یا ایسے ہی رہ جائے گا!

اشفاق احمد

"داستاں سرائے"

ماڈل ٹاؤن. لاہور

رکی ہوئی عمر

میرے یار غلام علی نے ولیت جا کے خط پایا کہ او نے اک ایسی بری خبر سنی ہے جنے اس کوں ہلا کے رکھ دیا ہے اور اس کا جیونا مشکل کر دیا ہے۔ اس کے حضرت صاحب کے صاحب زادے پورے ست دن بیمار رہ کے فوت ہو گئے اور روشنائیوں والے ڈیرے تے گھپ ہنیر کر گئے۔ صاحب زادہ صاحب. حضرت صاحب کی اکلوتی اولاد تھے اور اس کے پیچھے سب کچھ خالم خالی تھا۔ نہ کوئی جدی وارث. نہ روحانی وارث. نہ لڑی اگے چلانے والا۔

غلام علی نے لکھیا تھا کہ میں نے حضرت صاحب کو تعزیت کا تار بھجوا دیا ہے پر وہاں کسی کی حاضری بہت ضروری ہے تاکہ زبانی طور پر بھی غلام علی کی حضوری ہو سکے اور حضرت صاحب کے دکھ سکھ میں اس کو پورا شریک سمجھا جائے۔ ڈیرے پر حاضری کا یہ کام غلام علی نے میرے سر ڈالیا تھا. پر ہمارے گھرانے میں چونکہ پیروں فقیروں تے ملنا اور ڈیروں آستانوں تائیں جانا عیب کی بات سمجھی جاتی ہے اس واسطے میں کئی دن تک سوچتا ہی رہا اور اپنے آپ کو اس پینڈے کے لئے تیار ہی کرتا رہا۔

سفر کوئی زیادہ لمبا نہیں تھا۔ راجہ جنگ ٹیشن پر اتر کر یکہ لینا تھا۔ تین میل کے پینڈے کے بعد جہاں نیائیاں آجاتی ہیں. وہاں اتر جانا تھا۔ پھر پیدل چل کے ڈیرہ صاحب اپڑ جانا تھا۔ ڈیرے پر حضرت صاحب کو غلام علی کا پیغام دینا تھا اور پھر الٹے پیر مڑ آنا تھا۔

پورے بس دن کی سوچ بچار کے پیچھے جب میں اپنے گھر کے لوکاں سے چوری نیائیوں کے نیڑے پکے سے اتریا تو اودھر بھری رت جوان دو مٹیاریں کھڑی تھیں۔ میرا وستر دیکھ کے دونوں ہنسنے لگ پڑیاں اور ایک دوسرے کے ساتھ جٹ کر ایسے بل کھانے لگیاں جیسے ڈاکٹری محکمے کے مارکے والے دو سانپ ایک دوسرے کے ساتھ لپٹے ہوتے ہیں۔ میں نے سانپوں کو تو بل کھاتے ڈٹھا ہے کڑیوں کو اس طرح لپٹ لپیٹ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے ان دونوں سے حضرت صاحب کی درگاہ کا پوچھا تو ہور زیادہ ہنسنے لگ گیاں اور اپنے سالو سمیت کر نٹھ گیاں۔ میں دور تک ان کو نٹھتے دیکھتا رہا۔ وہ رک رک کے اور مڑ مڑ کے اور چرلالا کے نس رئیاں تھیں اور ان کے وجود دھوڑ کے اندر ڈلکاں مارتے جاتے تھے۔ ڈلکاں مارتے وجود دیکھ کے میری طبیعت بڑی راضی ہوئی اور میں نیائیوں میں اتر کے اپنے پینڈے پر روانہ ہو گیا۔

حضرت صاحب کا ڈیرہ کچھ بہت دور نہ تھا۔ مشکل سے دو مربعوں کی واٹ ہو گی پر راستہ بہت کھڑبڑا تھا۔ ساری راہ کھالاں ٹپتا اور ٹبوں پر ڈگتا ڈھیتا اور تھاں تھاں چکڑ سے تلکتا گیا اور سوچتا گیا کہ پتہ نہیں یہ لوگ اپنے ڈیرے ایسی تھاؤں پر کیوں بناتے ہیں جدھر کوئی اپڑ ھی نہ سکے۔

حضرت صاحب کا ڈیرہ کچے پکے کاندھ کوٹھوں کی ایک بستی تھی۔ ان میں کچے کوٹھے بہت اور پکے گھٹ تھے۔ کوٹھوں کے باہر ڈنگروں کے ڈھارے تھے۔ ایک طرف ککڑیوں کا لمبا چوڑا رہن تھا، ساتھ ہی بکریوں کا واڑہ تھا۔ کچھ میمنے باہر بھاگے پھرتے تھے۔ حقے والے ایک بزرگ جنے حقہ بھوئیں رکھ کر دونوں ہاتھوں سے میرے ساتھ مصافحہ کیا اور بولیا "شاہ صاحب کو سلام کرنے آئے ضرور ہو پر شاہ صاحب اس ٹیم وظیفہ کرتے ہیں۔ آپ کو انتظاری کرنی پڑے گی"۔ پھر اس نے ایک منجی کھینچ کر بکائن کے نیچے کر دی اور آکھن لگا "لنگر کرو گے؟" میں بولا "لنگر تو میں گھر سے کر کے چلیا آریا ایں۔ پانی کا گھٹ ہووے تو ضرور پیواں گا"۔

"کنویں نیئں۔ کنویں نیئں" اوے واپس مڑتے ہوئے کیا "لکھ پانی، ہزار پانی، ددھ

پیئو۔ لسی پیئو، آپ کا اپنا گھر ہے۔ اپنا ڈیرا ہے۔"

پرے تین چار عقیدت مند کوئی دوائی گھونٹ رہے تھے۔ ان کے پاس ایک کڑھائی چڑھی تھی۔ ساتھ ہی تولا بیٹھا جڑی بوٹیاں تول تول کے ڈھیریاں لگا رہا تھا۔ ایک تندوری میں عورتیں بالن ڈال کر آگ مھخا رہی تھیں۔ بڑے بڑے لانبو بڑی بڑی زبانیں باہر کڈھ رئے تھے۔ کچھ لوگ بڑی دیوال کے ساتھ اونچے چونترے پر کھیس لے کر سو رہے تھے۔ ان کے عصے، متار، گھنگھرو اور میل خورے وستر ایک ڈھیر کی صورت میں سرہانے کے نیڑے پڑے تھے۔ میرے اندازے موجب وہ منگتے قلندر تھے جو رات کا پھیرا کر کے فجر ویلے واپس آئے تھے، تدی ایسی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

حقے والا جنا میرے لئے پانی کا کروا اور چھنالے کر آ گیا اور کہن لگا "میں اندر ارداشت اپڑا دئی ہے۔ آپ سرکار ارمان تے بیٹھو۔ بلاوا آ گیا تو میں جناب کوں بلا کے حضور کو پیش کر دیاں گا"۔ میں کینا "میرے پاس وقت گھٹ ہے اور میں جلدی واپس جانا ہے۔ اگر آج مشکل ہو تو میں پھر کسی دن آ جاؤں گا"۔

اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا "ناں سائیں ناں۔ ایہہ گل ناں کرو۔ ایہہ سچے سائیں کا ڈیرا ہے۔ جن سائیں کے ڈیرے تے کاھلا تاولا ہون کی لوڑ نیئں، سب کام آپے ہو جاتے ہیں، کیے بغیر، بولے بغیر، گھابرے بغیر۔"

میں پانی پی کر فارغ ہوا ہی تھا کہ ایک مندرا سا منڈا اپنے کنڈل سنوارتا ہمارے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور مدھم آواز میں بولا "سائیں اذن فرمایا اے"۔

اس آدمی نے سختی کے ساتھ مندرے منڈے سے کہا "اوئے اوت کجان پہلے سلام کیتا کرو پھیر پیغام دیا کرو"

لڑکے نے میکوں سلام کیا اور پھر اسی ٹون میں بولا "سائیں اذن فرمایا اے"

شاہ صاحب کا کوٹھا اندر سے بڑا صاف ستھرا اور خوبصورت تھا۔ دیواروں پر مکے مدینے، اجمیر شریف اور داتا دربار کی مورتیں لٹک رہی تھیں۔ چھت کے ساتھ بجلی کے رنگین لاٹو تھے اور کوٹھے کے اندر ایک طرف پیتل کا چوکھیا دیوار کھا تھا۔ اگربتیاں سلگ رہی تھیں اور

شاہ صاحب، نوم کے موٹے گدے پر ایرانی قالین بچھائے دیوار سے ڈھو لگا کے بیٹھے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور چپ چاپ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"لاہوروں تشریف لیائے ہو؟" آپ نے پوچھا۔

"جی" میں نے گلا صاف کر کے کہا "میرے دوست غلام علی نے ولایت سے لکھیا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دوں اور ان کی طرف سے صاحب زادہ صاحب کا افسوس کروں"۔ انہوں نے اپنا منہ اوپر اٹھا کر چھت پر نگاہیں گاڑ دیں اور خاموش ہو گئے۔ مجھ سے کچھ بولیا نہ گیا تو آپ نے آپے کہنا شروع کر دیا "غلام علی بڑا ساؤ بندا اے اور اس کی روح بڑی سعید اے۔ ہم کو وہ اپنی اولاد کی طرح پیارا اور بچوں کی طرح عزیز ہے۔ ہم اس کو اپنے خانوادے ہی کا ایک بندا سمجھتے ہیں، مرید نہیں۔ پر بڑی دور چلا گیا ہے اور بڑی دیر کے لئے چلا گیا اے۔ زندگی کا کوئی اعتبار نئیں۔ ویلے سے کویلا ہو جاتا ہے۔ سجن متر سے دوری ہو جاتی ہے پر کوئی زور نہیں چلتا۔ ایہہ بی اللہ سچے کا بھانا ہے۔ وہ جس طرح چاہے حق ہے، جو کہے سچ ہے۔ سارا جگ سارا سنسار اس کے حکم کی ایک ریکھ ہے، اسی کے حکم کا دسخط ہے۔ کیوں جی؟"

اب میں ان کی بات کا کیا جواب دیتا اور کس منہ سے ان کے اقرار میں شرکت کرتا۔ ایک پدّی عقاب کے سامنے تھی۔ گل کرنی مشکل تھی۔ میں گھابر سا گیا تو انہوں نے چہرہ میرے سامنے کر کے پوچھا "غلام علی کے آنے کا کوئی پروگرام نئیں؟"

میں کیا "جی ابھی تو اس کو تین سال اور لگیں گے، پھر پتہ چلے گا۔ اس وقت تو اس نے مجھے صاحب زادہ صاحب کی تعزیت کے لئے بھیجا ہے اور میں اس کے حکم موجب حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اس نے اپنے آنے کا کوئی پروگرام نئیں دیا"۔ میں کچھ تھڑک سا گیا تھا۔

انہوں نے خوش ہو کر کہا "حکم ماننے والے کے لئے رحمتاں اور تسلیم کے واسطے برکتاں۔ خدا سدا خوش رکھے۔ آپ نے بڑی تکلیف کی"۔

میں کہا "کوئی تکلیف نہیں حضور! یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ آپ کے بھنڈار کی زیارت ہو گئی۔ ڈیرے کے درشن ہو گئے"۔

انہوں نے اپنی آنکھوں کے پانی کو موٹی سی چدر سے پونچھا اور کہنے لگے "نصیر شاہ میرا ایک ہی بیٹا تھا اور دنیا داری ناتے میرے بھانویں میرا سب کچھ وہی تھا۔ بڑا صبر کریا بڑی توبہ تلا کری پر جو اس کا حکم۔ منظور! حکم تو منظور پر منظوری کو منظوری نئیں ملی۔ بندا بشر اے۔ کمزوری نئیں جاتی، انجو نکل آتے ہیں۔ دیکھوناں جی کدو کو بھی کدو کی ول سے توڑیں تو ڈنڈی سے پانی کی بوند نکل آتی ہے۔ بندا کیا کرے!"

ان کی خوبصورت غلافی آنکھوں سے دو بڑے بڑے انجو باہر نکل کر انکی داڑھی میں اتر گئے۔ میں اسی طرح چپ کر کے بیٹھا رئیا۔ بڑی دیر تک ہم دونوں کے درمیان خموشی کی بات چیت ہوتی رہی اور ہم دونوں ہی سر جھکائے بیٹھے رہے۔

اتنے میں وہی مندرا منڈا جو اذن لے کر میرے ال آیا تھا، اندر داخل ہوا۔ اس نے سردل کے پاس ہی اپنے گوڈے بھوئیں پر ٹیک دیئے اور بولا "حضور پتھر لے جایئے، مستری نبی بخش آ گیا اے"

حضرت صاحب نے پوری آنکھیں کھول کر انگلی کے اشارے سے منع کیا اور بولے "پتھر اندر لے آ سلامت علی! سجن سیبلے شہروں آئے ہیں، ایناں کی رائے بھی لے لیے۔ کیوں جی؟"

میں نے ان کی بات سمجھے بغیر کیا "کیوں نئیں جی، کیوں نئیں۔"

تھوڑی دیر بعد دو جنے بڑی عقیدت سے سنگ مرمر کی ایک سل اچا کر پولے پولے قدم رکھتے آئے اور دروازے کے پاس ہی رک گئے۔ حضرت صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اپنے پاس بلایا۔ وہ پولے پولے قدم اٹھاتے حضور کے سامنے آ گئے اور سنگ مرمر کی سل ان کے سامنے کھڑی کر دی۔

شاہ صاحب ہولے سے بولے "اس پر نظر مارو جی۔ ٹھیک اے۔ خوشخط لکھی اے کہ چالو کام کیا اے۔"

میں نے سنگ مرمر کی سل کو دھیان سے دیکھا۔ وہ صاحب زادہ صاحب کی قبر کا کتبہ تھا۔ اوپر "کل نفسٌ ذائقۃ الموت" لکھا تھا۔ نیچے جلی قلم سے صاحب زادہ نصیرالدین شاہ کا نام کھدا تھا۔ اس کے نیچے ایک ہی سطر میں تاریخ پیدائش ۱۸۹۳ء اور تاریخ وفات ۱۹۵۲ء لکھی تھی۔ خطوط وحدانی میں عمر دو سال لکھی تھی اور نیچے شعر تھا۔

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

میں نے صاحب زادہ صاحب کی عمر کا حساب دی گئی تاریخوں سے لگایا تو ان کی عمر انسٹھ سال بنی۔ لیکن خطوط وحدانی میں دو سال لکھی تھی۔ میں اس بھول سے بھگلا گیا اور تھوڑی دیر رک کر بولا "حضور سنگ ساز مورکھ پنے سے عمر غلط لکھ گیا ہے۔ صاحب زادہ صاحب کی عمر انسٹھ سال بنتی ہے اور اس نے صرف دو سال لیک دی ہے"۔

آپ نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا تو میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا "حضور یہ شعر بھی اس نے اپنی طرف سے بے جوڑ چلا دیا۔ یہ تو نکے ایانوں کے لئے لکھا جاتا ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں کے لئے نہیں"۔

انہوں نے دنوں اکھیاں بند کر کے کیا "ایہہ عمر بھی میں نے نکال کے دی اے اور ایہہ شعر بھی میں ای لخوایا اے۔ آپ صرف ایہہ دیکھو کہ لکھائی صفائی ٹھیک اے کہ نیئں۔ خوشخطی صحیح ہے"۔

میں کیا "جی لکھائی صفائی تو بالکل ٹھیک اے پر مضمون عبارت غلط ہے"۔

فرمایا "مضمون بھی ٹھیک ہے صاحب میرے اور عبارت بھی درست ہے۔ اصل حقیقت ایہی اے اور حق سچ بی ایہی اے"

پھیر تھوڑی دیر خموش رہ کے بولے "برخوردار نصیر الدین نے دو برس کی عمر بعد پورے لفظ اور پورے فقرے بولنے شروع کر کے سب کوں حریان کر دیا۔ سوہنا کلام تے سوہنی گفتار۔ جو بھی اس کیاں باتاں سن دا۔ دلوں بجانوں عاشق موہت ہو رہندا۔ لاڈ لڈاندا۔ پیراں ہیٹھ ہتھ رکھدا۔ سجن سہیلیاں گودی گودی چائی پھرتے۔ بہت راضی

رہتا۔ خوش ہوندا۔ اڑیاں کردا۔ پر لاڈ پیار ہور عشق دلار نے برخوردار کی ترقی روک دئی۔ درجات بند ہو گئے۔ ضدی، خود غرض، خود پسند ہو کے رہ گیا۔ حق سچ کوں چھنڈ کے چیزاں وستاں کیاں محبتاں ماں بھیا گیا۔ اس فقیری ڈیرے بدولت سرکارے دربارے مل بندھن کر لیا۔ جائداداں بنانیاں شروع کر دئیاں۔ مال گھاؤ گھپ کر لئے۔ اپنے آپ اور اپنی ذات کا بندا بن گیا۔ مخلوق خدا کنوں اڈھو کے صرف اپنی سیوا کرن لگ گیا۔ اناٹھ سال عمر ضرور پائی پر پہلے دو سالاں کنوں اگے نہ جا سکیا۔ ساری عمر ایونیوں ای اکارت گئی، اینویں ای برباد ہوئی۔ اصل عمر نصیر الدین شاہ ہوراں کی دو سال ای بنتی اے۔ جد اس نے گل کلام شروع کریا۔ اس کے پیچھے تو سب ذات ای ذات اے۔ انا ای انا اے۔ غرض ای غرض اے۔ مرحوم دو سال تے اگے نہ اپڑ سکیا۔ اس پتھر تے ایہہ عمر بھی میں درج کری اے اور ایہہ شعر بی میں ای لکھوایا اے۔ توں میں بتا صاحب میرے کہ ٹھیک اے کہ نیئں۔ ایہہ دیکھو کہ کتبے کی لکھائی صفائی جانچ ٹھکانے ہے کہ اوویں جھوٹی سنگار تا کر گیا اے سنگ ساز"

میں بے پران، بے دھڑا ہو کے بیٹھا رئیا۔ جواب کی دیتا اور بول کے کیا کر لیتا۔ حضرت صاحب نے بولنے جوگا چھاڈیا ای نیئں تھا۔

ایک ہی بولی

سید کرم شاہ کی پچھیری بھری جوانی تے آئی تو اس کے پسینے کی خوشبو بدل گئی۔ مکھی بیٹھتی تو پھسلتی جاتی۔ پچھیری سارے میں پھڑتول مچا دیتی۔ پوڑ مارتی، دھوڑ اڑاتی۔ کوئی نیڑے نہ جا سکتا۔

شاہ صاحب نے گاموں مراثی کو بلا کر آکھیا ”لے اوئے کرملی بچھڑے کو ساتھ لے کر اسے کرنیل صاحب کے ڈیرے تے لے جا اور ولائتی گھوڑے تے بھروا لیا۔ کرنیل صاحب کوں میرا سلام آکھیں نال عرض کریں کہ شاہ صاحب فیس آپے آکے بھرن گے“۔

کرنیل صاحب کے گھوڑی پال مربع تے رنگ رنگ کے اوچیاں شاناں والے گھوڑے گھوڑیاں کا اک میلہ لگیا تھا۔ دور دور تے لوک آکے اوھناں کے درشن کرتے، قصیدے گاتے اور صفت ثنا کر کے شاباشیاں دیتے کہ واہ بئی واہ۔

ولیتی گھاس، جئی اور شتالے کے اندر گھوڑے گھوڑیاں کھلے پھرتے۔ ٹوبھے اندر اشنان کرتے، چھتنار رکھوں تلے استھان کرتے۔ شام کو واپس اصطبل اپڑ جاتے۔ جو کوئی گھوڑی گرم ہو جاتی، اس کا گھومنا پھرنا رک جاتا۔ اگاڑی پچھیاڑی لگا کر کوٹھے میں بند کر دی جاتی۔ دانہ پٹھا اندر ملتا۔ کھر کھرا برش چھڈ دیا جاتا۔ کرنیل صاحب آپے آکر گھوڑی کا پنڈا

دیکھتے۔ تھرمامیٹر لگا کر گرمی ماپتے۔ اکھیاں اتھل کر ڈورے دیکھتے اور پھر حکم لگاتے کہ اس پر کونسا گھوڑا چھوڑا جائے۔

کرنیل فارم کے گھوڑے دور دور تک مشہوری رکھتے۔ سارے بیوپاریوں کو پتہ ہوتا کہ کونسا دانہ کس قیمت کا ہیگا اور کس تے کتنا نفع کمیا جا سکتا ہے۔ ولیتی گھوڑیاں دیسی گھوڑوں سے ملا کر کرنیل صاحب نے ایک ہیرا نسل جنما لی تھی جو نرمائی میں ملائم، لوتھ میں تگڑی، ٹبا لنگھنے میں تاولی اور نسنے میں بجلی تھی۔ گرم علاقوں اور ریگستانوں میں اس نسل کے گھوڑوں کے موکلے ناسے کھلے سموچے سانس لیتے تھے۔ گردن اکڑی اور سیسر اچائے رہتے تھے۔ دیکھنے والے کو سرور آ جاتا تھا۔

گاموں مراثی پچھیری کرنیل صاحب کے سٹڈ تے لا کر صوبیدار سے بولیا " صاحب بہادر پچھیری بھرانی ہے اور بھرانی بھی مشکی گھوڑے تے ہیگی جو کرنیل صاحب نے آسٹریلیا سے سدایا ہے۔ سید کرم شاہ، کرنیل صاحب کوں سلام بولیا ہے ہور کرنیل صاحب کوں توجہ فرمان کی فرمائش کری ہیگی ۔ میں آپے بھی ارے ٹکوں گا اور میرے نال ایہہ گبھرو کرملی بھی ڈیوٹی دیوے گا۔ حکم فرماؤ حسن کی کریئے"۔ صوبیدار بولیا "سٹین فورڈ کی فیس دو سو روپے ہے اور کرنیل صاحب کا آرڈر ایڈوانس لینے کا ہے۔ کاشن دیؤ تو اٹن شن ہو کے پرچی کاٹوں نہیں تو سٹینڈے ٹی ہو جاؤں۔"

گاموں نے کہا "ناں صوبیدار صاحب سٹینڈے ٹی ہون کی کیا لوڑ اے۔ پرچی کٹو بسم اللہ کرو۔ پچھیری بھروانی اے کوئی مخول نہیَں۔ بڑا پینڈا کر کے تیرے دوارے آئے ہیں۔ کرو بسم اللہ، لو اپنی فیس دو سو روپے"

جد صوبیدار تین کاربن پیپر رکھ کے بال پوائنٹ تے پرچی کاٹنے لگا تو گاموں مراثی رہ نہ سکا۔ بڈھا ککڑ سا بن کر بولیا "صوبیدار صاحب! ایہہ وی ہور ای زمانہ آگیا اے۔ مرد کوٹھے تے رات گزارنے جائے تو پلے سے رقم بھرے، گھوڑے کا روح راضی کرنا ہو تو الٹا گھوڑی والا نانواں خرچے۔ واہ بئی واہ"۔

صوبیدار نے ہتھ روک کر کہا "پرچی کٹوانی ہے کہ نہیں کٹوانی؟"

"ضرور جی ضرور" کرملی تاولا ہو کے بولیا" پرچی کٹوانے ہی تو اتنی واٹ کر کے آئے ہیں۔ دے چاچا رقم"۔ گاموں مراثی نے سو سو کے دو نوٹ نکال کر صوبیدار صاحب کے سامنے رکھ دیئے۔

کچے احاطے میں جو گاموں مراثی اور کرملی پھڈے نے اپنی پچھیری کا نکتہ کھول کر اسے چھوڑا تو وہ ایک چھپٹا مار کر پہلے تو الف ہو گئی، پھر اس نے سارے احاطے میں دڑنگے مارنے شروع کر دیئے۔ اندر اپنے اپنے کوٹھوں میں گھوڑے ات زور تے ہنہنانے لگے۔ پچھیری نے اپنے اگلے دونوں سم کچی دیوار پر رکھ لئے اور جواب میں ہنہنانے لگی۔

صوبیدار صاحب کے کارندے سٹین فورڈ کو دھانہ ڈال کے اور سجے کھبے اس کی دونوں راسیں پکڑ کر جد برانڈے سے نکلے تو ایسے لگا جیوں روم کا کوئی بادشاہ اکھاڑے میں تشریف لا رئیا ہیگا۔ گھوڑے نے اپنا سجا سم بھوئیں پر مار کر دھوڑ اڑائی اور اپنی بولی میں پچھیری کو سلاما علیکی کری۔ پچھیری نے سرنیواں کر کے اور پونچھل اٹھا کے تھوڑا سا موتر کیا اور پھر چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ اس کو بادشاہ کی بولی سمجھ نہ آئی۔ سٹین فورڈ سلام کا جواب نہ پا کر زور سے گرجا اور اپنے بوتھے کو ہچوکا دے کر دونوں راس تھامیوں کو گوڈے بھار گرا دیا۔ صوبیدار نے دور سے آڈر دیا "گھوڑا کھول دو اور آپ ری ٹریٹ کرو۔ ایکدم۔ ایٹ ونس"۔

بڑے کارندے نے سٹین فورڈ کے ماتھے کی ایال پکڑ کر اس کا سر نوایا اور دھانہ کنوتیوں سے نکال دیا۔ کالا سیاہ پہاڑ اپنی جگہ سے اچھلا، ہوا میں گرجا، بھونچال بن کر دھرتی کو ہلایا اور تھوتھنی اچا کر پچھیری کے نال جا کھڑا ہوا۔ ایک غیر گھوڑے کو اپنے اتنے نیڑے دیکھ کر پچھیری پرے ہٹ گئی۔ سٹین فورڈ اس کے وارنے کرنے لگا۔ پچھیری ہور پرے ہٹ گئی۔

گاموں مراثی چونترے کے اوہلے کھڑے کرملی پھڈے کوں آکھیا، "ایہہ کیا گل ہوئی کرملی۔ گھوڑا اے کہ گدڑ؟"

کرملی بولیا "چاچا ایہہ ولیتی گھوڑا ہے سیانا! ایہہ لوگ دیسی لوکاں کی طرح اوکھے نہیں

ہوتے۔ گھابرتے نہیں۔ انکال وچ نہیں آتے۔ اوھلار کھ کے کام کرتے ہیں۔ تو فکر نہ کر"

گاموں بولیا "اپنی بچھیری اس کا کام نہیں اپاتی۔ گل نہیں سمجھتی۔ جو کدی اس کی بولی کو اپڑ جائے تو سیس نوا کر گوڈے ٹیک دے۔ پر دونوں میں فرق بہت ہے"

کرملی بولیا "چاچا میرے حساب سے تو دونوں کی ایک جیسی آواز ہے، اک جیسی بولی ہے، اک ای چنگھاڑ ہے۔"

"ناں بھائی ناں۔ ناں میرا سوہنا" گاموں سر موڑ کر بولیا "اپر اپر تے بولی ایک جیسی اے پر بڑا فرق اے۔ بڑی ورل اے دوناں کلیاناں اندر۔ بچھیری ہور بولدی اے، گھوڑا ہور بولدا اے۔ بڑا فرق۔ ایہہ میل نہیں ہو سکنا۔ مشکل اے"

"مشکل تو ڈھتا ہے چاچا پر ہو جائے گا انشاللہ۔ اپنی بچھیری سیانی ہے، سمجھ دار ہے۔ گھوڑی ہے، گدھڑی نہیں"۔

اس بار جو بچھیری بولی تو سٹڈ کے ساتھ سارے پنڈ کے اندر اس کی چنگھاڑ گونج گئی۔ سٹڈ کے نال یاسین پٹواری کا ڈیرا تھا۔ اس کے ٹٹو نے جو یہ چنگھاڑ سنی تو ڈر کے مارے پہلے تو تھوڑا سا جھولا کھا گیا، پھر اس کا موتر نکل گیا۔ سٹین فورڈ، بچھیری کی ایسی گرجدار آواز سن کر گم سم ہو گیا اور ناسیں پھلا کر زور زور تے سانس لینے لگا۔ اس کے مشکی پنڈے پر پسینے کی ایک موٹی سی تہہ چڑھ گئی اور وہ پانی پانی ہو گیا۔

چونترے کے اوھلے گاموں اور کرملی بوری بچھائے بیٹھے دعا مانگ رہے تھے کہ کام جلدی ختم ہو اور وہ اپنی بھری ہوئی بچھیری لے کے سائیں کے پاس لے جا کے لڈوؤں کی فرمائش کریں۔ کرملی بولا "چاچا دعا کر۔ اک بار بی گھوڑا ٹپ گیا بچھیری انشااللہ ٹھہر جائے گی"۔

گاموں منہ بھر کے بولا "اوئے بھائی میری دعا کیا کرے گی۔ گھوڑا تو نیویں ڈال کے کھڑا ہے۔ اس نمانے کو بچھیری نے نیڑے ای نہیں آنے دینا"۔

"پھر بھی چاچا دعا میں بڑا زور ہے" کرملی بولا۔

"اوئے زور تو ہے پر بھیڑو ای نہ لڑے تو گاموں کی کرے؟"

اتنے میں سٹین فورڈ نے بھوئیں کے ساتھ بوتھ لگا کے ایک گرجدار چنگاڑ بھری اور کالی بجلی بن کر بچھیری پر ٹوٹا۔ بچھیری نے دونوں سم بھوئیں تے جما کر اگلی گاچیوں پر سارا وزن تولا اور جوان پٹھوں کے زور پر پچھلی ٹانگوں کی کمان کی دونوں تندیاں ایک ساتھ توڑ دیں۔ ایک کھڈا سٹین فورڈ کی مستک تے پڑا اور ایک چیر اس پر آیا۔ لہو نکلتا دیکھ کر سٹین فورڈ رک گیا اور اسی جگہ پتھر ہو گیا۔ دونوں جانور بڑی دیر تک اسی طرح کھڑے رہے اور کھڑے کھڑے ہی بھوکی نظروں سے اک دوجے کو دیکھتے رہے۔

صبح سویرے جب کوٹھے ٹپنی بچھیری کو گاموں اور کرملی یاسین پٹواری کے ڈیرے سے پکڑ کر لائے تو ان کے پنڈے میں روحیں نہیں تھیں، بس مرے مرے وگ رہے تھے۔ سارا پنڈ ایک نے دوسرے سے نہ کوئی گل کری، نہ دوسرے کو مڑ کر ڈھا۔ چپ چپیتے وگدے رہے۔

سید کرم شاہ کے گڑ کے بڑکے سن کر سارا پنڈ واڑے کے ارد گرد جمع ہو گیا۔ سوانیاں چھتوں پر چڑھ کے دیکھنے لگیں۔ شاہ صاحب کڑک کڑک کے کہہ رہے تھے "اوئے باندر کے بچیو، سور کے بترو۔ جھڈوؤ، لکھ روپے کی بچھیری تے پٹواری کا ٹٹو کرا کے لے آئے او، شرم نہیں آئی۔ حیا نہیں آئی نمک حرامو۔ مالک کا کوئی خیال نہیں، کوئی آدر نہیں۔ کدھر مر گئے، کدھر دفع ہو گئے تھے دونوں؟"

"نہ ای مرے سائیں نہ ای دفع ہوئے" گاموں نے ہتھ بنھ کے عرض کری "ہر وقت حاضر رہئے تے ہر گھڑی چوکس رہئے، پر اپنی بچھیری نے گھوڑا پسند ای نہیں کریا شروع وقت تے اخیر وقت تک"

"ایہہ کس طرح ہو سکیا اے اج تک کہ حیٹ تے آیا جانور اپنا آڑی پسند نہ کرے"

"اپنی بچھیری نے اس کوں اپنا آڑی سمجھیا ای نہیں سائیں۔ قبول ای نہیں کریا۔ جنگ جدال ای کر دی گئی اے"

"اوئے کتیو" شاہ صاحب نے گسے میں بے بس ہو کے کیٹیا "لے کے کواری گھوڑی تباہ کر دئی۔ کدھر بھیجیا تھا، کدھر سے گھبن کرا کے لے آئے۔ مالک کا خیال ہوتا تو لیف بچھا کے کواٹر میں نہ سوتے، پچھیری پر نظر رکھتے۔"

"سونہہ لے لئو شاہ جی" کرلی بولا "پیراں تے ہتھ۔ ناں تیرے بردے سوئے ناں ای بے دھیانے ہوئے۔ اپنی پچھیری کوں ولایتی گھوڑے کا بول بلاوا اکھ اشارہ سمجھ نیئں آیا۔ دونوں بڑے بولے، بڑے گڑکے پر اک دوجے کی سینت اشارہ نہیں سمجھ سکے۔ دل نیئں مل سکیا دوناں کا۔"

"دفع ہو جاؤ اوئے۔ دور ہو جاؤ میریاں اکھیاں سامنے تے" شاہ صاحب نے اپنا چولا پھاڑتے ہوئے آکھیا "جد پچھیری کو ٹھاٹپ کے باہر کدی پٹواری کے ڈیرے، ٹٹو نیڑے، توں کدھر مر گیا تھا گاموں؟"

"مرے نیئں سائیں دونوں جیوندے جاگدے سوادھان بھیگے تھے۔ دونیں اس کے پچھے نسے۔ پر پچھیری کا مقابلہ انسان کس طرح کر سکتا اے۔ ایہہ ٹٹو الے پہنچ کے اک دم مل گئی۔ اساں کوں اپڑن میں پندرہ ویہہ منٹ لگ گئے"۔

"پر ٹٹو بھیڑا کر کے نیئں بنیا تھا پٹواری نے؟" کرم شاہ نے پچھیا۔

"بڑا بھیڑا سائیں۔ بالکل کھونڈے نیڑے۔ عین کسیا ہوئیا۔ پر قسمت! پچھیری آپے کودیاں مار کے اس کے ساتھ لگ گئی۔ ٹٹو پسر گیا"۔

"ٹٹو نے تو پسرنا ہی تھا" شاہ صاحب نے کہا "گدھے جو نال گئے تھے نگرانی واسطے"

"نگرانی بالکل ٹھیک رئی سائیں۔ نگرانی میں کوئی فرق نہیں آیا" گاموں نے سیس نوا کے آکھیا "پر اپنی پچھیری نے پہلے ای ٹٹو کے ساتھ اٹ سٹ لگا لئی تھی۔ جد ہم پٹواری کے ڈیرے اگوں گزرے تھے تو اندر سے ٹٹو نے آواز دی تھی"

"پھیر؟" شاہ نے پچھیا

"پھیر سائیں اس نے بھی سلام علیک آکھی تھی جواب میں اپنی پچھیری نے۔ آپی گل

کلام شروع ہو گیا۔ اکو بولی جو تھی دونوں کی۔"

اب واڑے کے باہر اتنے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے کہ شاہ صاحب نے اور کوئی گل کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ مرنوا کے مٹھی آواز میں بولے "اس کی ماں بھی بڑی کتی گھوڑی تھی۔ اچی نسل ہونے کے باوجود اوہ بی رلا پسند کرتی تھی کنجری۔ پر میں ہر ایک سے تنگ آ گیا ہوں۔ بندوں سے بھی اور ڈنگروں سے بھی۔ سارے ای قتل کرن جوگے ہیں"۔

یہ کہہ کر سید کرم شاہ اپنے ڈیرے ال چلے گئے پر پچھیری نے اوھناں کوں مڑ کے نیئں دیکھیا۔ یونچھل چھلکدی اور دانہ کھاندی رئی۔

کالا بدّل

راٹھیاں کے باسی کہتے ہیں کہ موجو قلندر دھول پور سے آیا ہے پر کسی کو اتنا پتہ نہیں کہ دھول پور ہے کدھر، اس تھاں اپڑتے کس طرح ہیں اور اس کے رہنے والے کس طرح کے ہوتے ہیں۔ اگر موجو دھول پور کا ہوتا تو اس کی بولی وکھری ہوتی۔ اس کے وستر کپڑے ھور ڈھنگ کے ہوتے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، دعا سلام کرنا الگ ہوتا۔ پر موجو میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ تو ان لوگوں جیسا ہی تھا جو راٹھیاں میں اور راٹھیاں کے ارد گرد آباد ہیں۔ ہاں اس کی سوانی ضرور کسی اور جگہ کی تھی۔ اس کی بولی بھی فرق تھی اور اس کا لہنگا گھگرا بھی الگ تھا۔ جب وہ چلتی تھی تو اوپری اوپری سی لگتی تھی اور جب چلتے چلتے مڑ کے تکتی تھی تو بالکل ہی بدل جاتی تھی۔ نہ ادھر کی لگتی تھی نہ ادھر کی، کوئی ھور ای مخلوق بن جاتی تھی۔

موجو اور ٹھمکی کے نال جو کالا رچھ تھا وہ ضرور ویسا ہی تھا جیسے ساری دنیا کے رچھ ہوتے ہیں۔ لمبے لمبے بال، بھارا بھارا وجود۔ پہلے سجے پاسے کے دونوں قدم ایک ساتھ چلتے ہیں، پھر کھبے پاسے کے۔ سینے کے اوپر دھولے بالوں کنٹھا۔ مستک پر چھوٹے بال۔ گردن پر گچھے دار پٹے اور پیٹ کے نیچے چھوٹی چھوٹی لوئیں۔ تھوتھنی پر چمڑے کی کنی۔ ناک میں پیتل کا کڑا۔ چھوٹے پیر۔ گندے مڑے نونہہ۔ مہاجنی چوتڑ، اور منہ میں بھی دانے کا ہر وقتی تھوک۔ رسی موجو کے ہتھ ہوتی پر اشارہ وہ ٹھمکی کا دیکھتا۔ جدھر سین مارتی ادھر کا ہو جاتا

اور پھر ادھر ہی کا ہو رہتا۔

گوٹھ کنارے، پرانی کھیہ کے نیڑے ان کی جھگی تھی۔ کچا اسارا، اوپر کانیاں کی چھت، اندر پانڈو کا پوچا، باہر گیرو کے پھل بوٹے۔ یہ ساری ڈیکوریشن ٹھمکی کی تھی اور موجو پیر دھوئے بغیر اندر نہیں جا سکتا تھا۔ تینوں ایک ساتھ اس گھر میں رہتے تھے اور تینوں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے اور تینوں ہی عشق کے مارے ہوئے تھے۔ جد ٹھمکی باہر روٹی پکا رہی ہوتی اور موجو اپنے پیر مانجھ رہا ہوتا تو کالا بدّل چاروں ٹانگیں پسار کر پیٹ کے بل چولہے کے پاس لیٹ جاتا۔ ٹھمکی آدھی بالٹی ڈال کر اس کے لئے بھوئیں ٹھنڈی کر دیتی اور وہ جانگھیں کھول کر ٹھنڈی ٹھنڈی مٹی پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیتا۔

ٹھمکی چمٹا بجا کر کہتی "جھڈو! میں تیری ایک ایک رجع پچھانوں میرے ساھورے۔ مجھے تو چولہے کے نرک میں جھوکے اور اپن کیا مہراجوں جیسا لمبا پڑ پڑ جائے پھولاں باد شاہ جادی کا دیور! تیری بوٹی کاٹ کے کاگا آگے گیروں کی ایک رزمے"

کالا بدّل ایک آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھتا اور پھر ایک چھوٹی سی جمائی لے کر اکھیاں بند کر لیتا۔ موجو آکھتا "بڑا تتا موسم ہے ٹھمکی۔ بدّل کو کچھ نہ آکھ۔ ہر وقت ہونکتا رہتا ہے۔ پہلے جتنا بھاری نئیں رئیا"

"تیرے بھانویں ماڑا ہو گیا موجو پر میرے سے پوچھ" ٹھمکی آنکھیں نچا کر بولتی "دھینگا تو اس کے ساتھ میں کروں ہوں، تیں کو کیا پتا ماڑا ہو گیا کہ بھارا۔ تو ایک روج اس کے ساتھ ریل دھکیل کر، پھر پتہ لاگے کیسا ریلا ہے اس کا!"

تماشاں ویلے جد موجو ڈگڈگی بجا کر کالے بدل کا تماشا کرتا تو نکے نیانوں کے نال گوٹھ کے بڑے لوک بھی آ کے گھیرے میں کھڑے ہو جاتے۔ موجو ڈگڈگی کھڑکا کے کہتا "لو وَ جی مہروانو، قدر دانو! ایدھر رچھ کا تماشا دیکھو، ایدھر قلندر کی وارتا سنو۔ شیراں کے وزیر کو نتھ پا کے نچانا نال جنے کنے کا دل پرچانا کوئی سکھالا کام نئیں۔ اک سانہہ اندر، اک باہر۔ موت مرن کا دھڑکا۔ سٹ پھٹ کا خطرہ۔ جنگل بیلے کا وزیر۔ ماس خور نالے کیز خور۔ ہر وقت کا سہم، ہر وقت کا جگراتا۔ سر تے کال کا چکر، دل وچ موت کا بھو۔ فقیرا فقیری دور۔

موت نیڑے۔ ہر وقت چکنا چور۔ اللہ نبی کا واسطہ اللہ نبی کا رحم۔ ہاں بھئی کالیا بدّلا کی آکھیا تیری سس نے جد توں اس تے روٹی شورہ منگیا؟"

کالے بادل نے زمین پر بہہ کے اپنا ایک ہتھ ٹنڈا کر کے ہلانا شروع کر دیا۔

موجو بولیا "لو وَ جی روٹی شورہ منگیا سس تے اونیں ڈوئی مار کے ہتھ توڑ دیا۔ اوئے تیرا ناس ہو جائے ستے۔ کتے پکتیے۔ ساھورا آیا پھیر اوس کوں شکایت لگانواں گا۔ تیرا چونڈا پٹوانواں گا۔ اوئے ہوئے ہوئے اوس اک واری ہور ڈوئی ماری نال متار چالیا۔ بس بس بس۔ متھا ٹیک دے۔ سیس نوا دے۔ زاری کر نال پیریں پے جا۔ سس بری چاہے تلی ہووے چاہے بھاری۔ لے پھیر نچ کے کس صورت یار منایئے"۔

کالے ٹٹے جیا ان گھڑت رچھ اٹھ کے کھڑا ہو جاتا اور دھب دھب نرت کرنے لگ جاتا۔ اس نال نال موجو ڈگڈگی بجاتا اور بے سری آواز میں گاتا کہ اک دن رب چاہیا تیری سس مرسی۔ تیرا ساھورا دوجی کرسی۔ دکھاں والا پینڈا مک جاسی۔ تیرا سوکھا نیڑا ھوسی۔ نا رو کالیا بدّلا ناں ــــ آپے لگائیاں ہور آپ سہاں"۔

سارے تماشائی خوشی سے تالیاں بجاتے اور موجو کے ساتھ گانے میں رل مل جاتے۔

پھر وہ ڈگڈگی روک کر اونچی ہاک مارتا اور ہتھ جوڑ کے آکھتا "اپنے اپنے پیر کاناں دھیا کے دو دو قدم پچھے ہٹ جاؤ پھیر رچھ نال ٹھمکی کی زور بزاری، مارا ماری ویکھو۔ سر وڈھویں ویر ملاحظہ کرو۔ واہ جی واہ۔" جب موجو یہ بانی پڑھ رہا ہوتا تو ٹھمکی اپنی جھگی اٹھا کے سرکا سالو کس کے پیٹ کے ساتھ باندھتی۔ اس کا پیٹ ہی کیا تھا۔ مشکل سے مٹھی بھر ہو گا۔ ڈونگی ناف اپر چولی۔ پھیر وہ بھوئیں کوں تین بار ہاتھ لا کے کان پکڑتی اور بانہیں چڑھا کے سامنے آجاتی۔ کالا بدّل کندھ کی کندھ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا اور دونوں بانہیں آڈ لیتا۔ ٹھمکی اپنی جگہ سے "لے بیری آگئی تیری سوکن" کہہ کر اچھلتی اور رچھ کے ساتھ جٹ جاتی۔

موجو ڈگڈگی بجا کر بولتا "لو وَ جی نظارا کرو۔ ٹھمکی تے رچھ، نال رچھ تے سوانی۔ واہ جی

واہ۔ لے اوئے گوڈالا کے چالے ٹھمکی کوں تے مار بھوئیں تے۔ پرواناں کریں۔ غم ناں کھائیں۔ گھیو کی چوریاں کھان والیاں اج وکھادے اپنی سور متائی، سٹ دے سوانی کوجین تے۔ چڑھ جااس کی لوتھ پر۔ واہ جی واہ"۔

ٹھمکی پھولی سانس کے سنگ اس کو دھکیلتی اور نال نعرے مارنے لگتی۔

"ارا دیکھ لوں گی تیری بہادری خصی پرنالے، بابا کے سالے۔ آج یا پھر تونہیں یا میں نئیں۔ تیراتیل لکاڑ کے رکھ دوں گی۔ چربی گلادوں گی ساری۔ موم بتیاں بنادیئوں تیرے تھندے کی"۔

دونوں میں خوب زور سارنی۔جپھا جپھی ہوتی۔ کدی ایک دھکیلتا کدی دوجا۔ موجو ھاک مار کے کہتا "بس اوئے لگ گیاسیک ٹھمکی کا۔ گل گیاپنڈا۔ نکل گئی پھوک۔ اوئے گھنی بھاری اے سوانی۔ اچائی نہیں جاندی کنڈلاں والیا؟خفتیا۔ ماں کیا رانجھیا" پھر ڈگڈگی اور زور سے بجتی اور موجو ھوکتا "کوئی پاسہ ناں چھڈیں ٹھمکی۔ سارے تت ورت کے دیکھیں۔ سارا زور لگادئیں۔ تیں کوں چوڑا بنواؤں دیوں۔ نتھ گھڑوا دیوں۔ کالے بدّل نوں ڈھادے۔ ساری دنیانوں دکھادے ــــ کیوں جی مہروانوں قدردانوں! سب کش دستاہے کہ تئیں دستا؟"

"دستاہے دستاہے" مجمع شور مچاتا اور کھیل جاری رہتا۔

موجو آکھتا "ٹھمکی تیار ہو جا۔ سوادھان ہو جا۔ لت مار کے ڈھگھ لادے کالے بدّل کا دھرتی تے۔ پرواناں کریں۔بینی نہ ہوئیں ــ مار کے چھڈیں"

رچھ اپنی تھوتھنی ٹھمکی کے موڈھے تے رکھ کے ٹھوکے مارنے لگتا اور ٹھمکی ڈھیلی پڑ جاتی۔ زور لگاتی پز زور نہ لگتا۔ موجو ڈگڈگی روک کر دونوں باہیں اوپر اٹھادیتا اور اچی آواز میں بولتا "بس کر کافرا بس کر ــ بس کر نخفتیا بس کر۔ کاھلا نہ پے ــ بس کر۔ چھڈ دے ملوک نمانی کوں۔ معافی دے دے"

پر کالا بدّل تو بھوت بن کر دھکیلے جاتا۔ گھومے جاتا۔ ٹھوکے دئے جاتا۔ اور ٹھمکی مرگلی ہوتی جاتی۔ رچھ کے ہونکنے اور کلکلی کی واج اونچی ہوتی جاتی اور موجو منت خوشامد کر

کے جلدی جلدی آکھنے لگتا "بس کر یار بس کر۔ معافی دے دے۔ بھلا دے گھسّا۔ گھرکیاں لوکاں کوں تنگ نئیں کریا کر دے۔ ہار من لے۔ ڈیہہ جا۔ ڈگ جا۔ مرجا ـــــ اوئے قبولیا ہار قبول کر لے۔ ہار من لے"۔ پھر وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر اوپر دیکھتا اور اونچی آواز میں کوک فریاد کرتا "یا مشکل کشا پیراں کے پیر۔ دستگیر۔ یا ٹالنہار مشکل ٹلا دے۔ روگ مٹادے۔ دکھ درد نسادے"۔

یہ سنتے ہی ٹھمکی ایک نعرہ مارتی اور دھم سے کالے بدّل کو زمین پر گرا کے اس کی پیٹھ تے چمٹ جاتی۔ اس کے اگلے دونوں پوڑے اپنے ہاتھوں میں پکڑلیتی اور پٹھا اپنی جانگھوں اندر دبالیتی۔ رچھ زور زور سے ہونکنے ملنے لگتا تو موجو ڈگڈگی بجا کر پوچھتا "بس اوئے نکل گیا جھاڑا۔ ہو گئی پھٹکڑی پھل۔ آگیا سواد سوانی نال لڑن جھگڑن کا"۔ ٹھمکی تو کانپتے ہوئے رچھ کے ساتھ اسی طرح چمٹی رہتی اور موجو سلور کاکول ہاتھ میں لے کے مجمع میں پھیری کرنے لگتا۔ کوئی چونی ڈالتا، کوئی اٹھنی، کوئی کوئی روپیہ بھی کول میں پادیتا۔

رات کو جھگی میں سوتے سمے ٹھمکی رچھ کے پیٹ پر سر رکھ کے سوتی تھی۔ وہ اپنا پوڑا اٹھا کے اس کے سینے پر ڈال دیتا۔ موجو اکثر کہتا "ٹھمکی ایہہ جنگل کا جنور اے۔ بھوتاں کا بھوت اے۔ اس کے ساتھ لگ کے نہ سویا کر متے کوئی نقصان ہو جائے" پر ٹھمکی ہر باریہی کہتی "میں کھاج کے مارے لیٹوں ہوں اس کے سنگ۔ باھوں پر کھاج کرا کے بڑا راجی ہووے۔ پوڑے اٹھالیوے چاروں کے چاروں اور نکے نیانوں کی طرح ہونکے۔ اگلے دن کام بھی اچھا کرے۔ باجیاں ڈالے خوش ہو ہو کر"۔

موجو ہر باری جواب میں ایک گل ہی کیا کرتا کہ "اچھا بھئی تیری مرضی، تو جانے اور کالا بدّل جانے" اور پاسہ موڑ کر سو جاتا۔

سردیوں کے دن تھے۔ گندم کی فصل نسری کھڑی تھی پر ابھی اس میں سٹے نہیں پڑے تھے۔ پتہ نئیں کی ھویا اور کی کھا گیا یا کس کی نظر لگ گئی، کالا بدّل بیمار ہو گیا اور گھنااای بیمار ہو گیا۔ جو جو دوا، نسخے، کاڑھے موجو کو پتہ تھے اس نے سارے آزما کے دیکھ لئے پر کیکر جیسا رچھ گل گل کے کالی بلی بن گیا اور ہڈیوں کی موٹھ ہو گیا۔ ٹھمکی دن رات روتی رہتی۔ نہ

پکانا نہ ریدھنا۔ نہ جھگی میں پوچا بوہاری کرنا۔ ہر وقت رچھ کا ہتھ پکڑ کے بیٹھے رہنا اور روئے جانا۔

جس دن موجو نے نہر کنارے اصیل کالے ککڑ کی قربانی دی، اسی دن نماشاں ویلے کالا بدّل فوت ہو گیا۔ موجو نے اپنے چٹے داڑھی میں مٹی بھک کے سیاپا کرنا شروع کر دیا تو جھگی کے باہر سارا گاؤں کنڈلی مار کر کھڑا ہو گیا۔ جنے جنانیاں سارے ای موجو کو کوکتا دیکھ کر اکھیاں بھیو کے کھڑے ہو گئے۔ بس اک ٹھمکی تھی جو تھم کے ساتھ ٹیک لگائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ نہ اکھیاں ماں ہنجو نہ ہونٹاں تے دکھ کیاں لیکاں۔ ناں ہل، ناں جل۔ نہ گل نہ کلام۔ بس سانس کی ڈوری کی پھرت تھی جس تے وجود پرو رکھا تھا۔ گوٹھ کی سوانیوں نے کئیا ایسی کجات سوانی بھی کوئی ہیگی جس کو اپنے گھر والے کا دکھ نہ سیجھے اور بے روزگاری کا فکر نہ ہووے۔

سارا دن لا کے گدھاں اور کاںاں نے نہر کنارے پڑے کالے بدّل کی لوتھ کو ختم کر دیا۔ خالی اس کی لنگڑے جیسی کھل رہ گئی جس کو ٹھمکی نے اٹھا کر پہلے تو نہر میں لتیں لمکا کر چنگی طراں سے دھویا۔ پھیر اس تے لون بھرک کے کھل کو گول کر کے لپیٹا، اپر لیر باندھی۔ آخری باری گردن موڑ کے اپنی جھگی کوں ڈٹھا اور اپنی واٹ چلی گئی۔

گوٹھ کے لوگ سمجھدے ایں کہ ٹھمکی واپس دھول پور چلی گئی۔ پر موجو کو کچھ پتہ نئیں۔ وہ سارا دن گلیوں کے ڈکے تنکے چگتا رہتا ہے اور روتا ہے۔ کوئی اس کو روٹی کھوا دیتا ہے، کوئی پانی پلا دیتا ہے۔ کدی وہ بڑے بوڑھ تلے سو جاتا ہے کدی پرانے آوے کی نیائیوں میں۔ سب کا یہی خیال ہے کہ رچھ کی موت نے اس کو سودائی کر دیا ہے اور رچھ کی ہوک سول بن کے اس کے کلیجے میں ڈوہنگی کھب گئی ہے۔ اوہی تو اس کی کھٹی کمائی کا آسرا تھا۔ اور کھٹی کمائی نہ رہے تو بندے نے ٹھور ٹھور ٹھاں ٹھاں جا کے تیلے تنکے ای چگنے ایں کہ۔۔۔ پر موجو اپنے رچھ کی یاد نئیں کرتا۔ ان باٹوں کو تکتا رہتا ہے جدھر سے ٹھمکی آ سکتی ہے۔

سلامتے کی مار

چوہدری جلال نے گامے جبھور کے دروازے پر پہنچ کر کئیا "اوئے میری بات کی سمجھ نئیں آئی تم دونوں جنا جنانی کو۔ میں کوئی فارسی بول رئیا ایں یا ہکلا کے گل کری اے میں۔"

گاما بچھی ہوئی منجی پر زور سے ہتھ مار مار کر بولیا "بیٹھ توں سہی چوہدری! باتاں ہوتیاں ای رہن گیاں ساری عمر۔"

"نئیں میں بیٹھ نہیں سکتا۔ میرے پاس ٹیم نہیں اے پر جو گل میں کری اے تیرے نال اوہدا جواب چاہئے۔ اس وقت، فوراً، اسی ویلے"۔

گامے نے کئیا "چوہدری جی! کڑی کی ماں کو آ جانے دے۔ اس کے بھائی کا کاکا ڈھیلا مٹھا ہے بچارا۔ دھکا لگ گیا ہے یا رب جانے کوئی جادو ٹونا کر گیا ہے۔ ٹھیک ہونے میں ہی نہیں آتا۔ بیبو آ گئی تو میں اس سے گل کر کے سلامتے کا ڈولا تیں کو ای دوں گا۔ ایہہ میرا وعدہ اے"۔

"وعدہ تو تیرا چلا آ رہا ہے پچھلے تن مہینیاں کا" چوہدری گڑک کر بولا۔

"ہوسی انشاء اللہ چوہدری جی پورا ہوسی، اللہ کے حکم نال پورا ہوسی۔ تیں فکر ای نہ کرو رتی بھر کا"۔ گامے نے داڑھی کھجلا کر کیا "میرے قبضے میں ہے اک بات جس کے زور پر

میں کڑی کی ماں کوں منا کڈھاں گا اور تیرا کم بنا دیاں گا"۔

"اور اگر میں کہوں کہ میں تو آج ہی ڈولا لینے آیا ہوں، اسی وقت ـــــ پھر؟"

"یہ تو پھر مشکل ہے چوہدری۔ اس کی ماں آجائے۔ کچھ میں بھی حوصلہ پکڑ جاؤں۔ کش آپ بھی رعایت کر جائیں اور موقع کی مناسبتی نال سب کم ٹھیک ٹھاک ہو جائے اللہ نبی کے حکم سار" یہ کہتے ہوئے جب گاموں نے چوہدری کی آنکھوں میں انگارے دیکھے تو تڑپ کر بولا۔

"میں انکاری نیئں موتیاں والی سرکار۔ ہشک نہیں سکتا تیرے کوں۔ چوہدری کے گھر میری دھی جائے، اس کی پٹ رانی بنے اور کس چیز کی لوڑ ہیگی اس کے پچھے ـــــ بے فکر رہ چوہدری انشااللہ تعالیٰ ـــــ کچھ دن ھور دیدے۔"

چوہدری جلال نے کیا "لے پھیر مجھے تو آج ہی ڈولا چاہئے سلامتے کا۔ کل میں عارف والے جانا ایں۔ میری چھوٹی دھی کا وڈا منڈا سنت بیٹھا اے۔ اج دو دھاڑے ہو گئے ایں اور میں جا کوئی نیئں سکیا۔ ہر ایک پچھدا اے کہ بئ نانا کیوں نیئں اپڑیا ھالی تیکر، ایس کر کے میں کل عارف والے ضرور جانا ہے۔ توں میرے کوں اجے ای ڈولا دے دے۔ اج میں حویلی وچ ہوں وی اکلا نالے چوبارے کو رنگ روغن وی کرایا اے"۔

گاموں نے دکھی ہو کر جواب دیا "سائیں حد کرتا ہے میرے بادشا۔ کس طرح میں چھوری آپ کے ساتھ روانہ کر دوں۔ مولوی بھی اپنے وطن گیا اے چھٹی تے ہزارے۔ اگلے منگل تشریف لیاسی تے نکاح دا بندوبست کریسی۔ بھلا کتنی دیر اے سائیں"۔

"تیرے واسطے تاں دیر نیئں لیکن میرے واسطے تاں ہے کہ نیئں"

"پھیر تاں ڈھیر مشکل اے سائیں"

"کیوں؟"

"میں دھی کو بے نکاحی نیئں ٹور سکتا"

"اوئے گدھڑیا بے نکاحی کنویں" چوہدری گرج کر بولا "نکاح کرنا ہے اللہ دے فضل نال تے واجے شہنائیاں لے کے آوں گا، دوستاں یاراں اہلکاراں نال، موقع

مناسب والے دن"

"پھیر انتظار کرو ناں جی" گاموں حوصلہ پا کے بولیا "مولوی صاحب کوں آلین دیؤ۔ نکاح ہو لینے دو۔ کاغذ پتر بن جائے۔ اس کے پچھے پکیاں کا کوئی حق ای نیئں رہ جاتا۔"

"حق آپ لوکاں کا سوالکھ" چوہدری جلال نے کیا "پر مولوی کے نہ آنے تک میں تو نیئں رک سکتا ناں۔ نکاح تو دو چار دن پچھے بھی ہو سکتا ہے"

"ڈولا پہلے نکاح پچھے!" گاموں حریان ہو کر بولیا۔

"ہاں بھئی" چوہدری نے اس کے موہڈے پر ہاتھ مار کر کیا، "بڑیاں آسانیاں دئیاں ایں خدا نے انسان کوں پر انسان سمجھ دا نیئں ناشکرا اے۔ اس واسطے دکھ اٹھاندا فریب کھاندا اے۔ ماریا جاندا اے"۔

گاموں کو چوہدری کی بات تے یقین تو نہیں آیا پر اوہ اگے سے بولیا نیئں۔ شاید چوہدری ٹھیک ہی آکھتا ہو کہ پہلے بھی ڈولا دے سکتے ہیں۔ نکاح بعد ماں کر سکتے ہیں ہفتہ دس دن ٹھہر کے۔ یہ علم والیاں کیاں باتاں ہیں۔ کتاباں والیاں کیا۔ کیا پتا ٹھیک ہی ہو سب کچھ۔

چوہدری بڑی ترکھاڑی میں تھا۔ شام کو پھر آگیا۔ گاموں کو باہر بلا کر وہی باتیں کرنے لگا۔ اس نے کیا "بادشاہا تیرے کوں آکھیا تھا کہ کڑی کی ماں گئی ہوئی ہے۔ اس کو آجانے دے"۔

چوہدری بولا "تیرے کرنے کا کم ہے، تینوں کرنا ہے۔ کوئی ناحقی بات نیئں۔ اصل اصول کا کم ہے۔ حق مہر دینا اور ڈولا لینا۔ ایہہ پنج ہزار روپئے حق مہر کے میں نال لے کے آیا ہوں جو تیرے دل کوں ڈھارس رہئے۔ بے اصولا کم نہ سمجھے۔ آ لے۔ پکڑ اور تگڑا کر کے ہتھ ڈال، سو سو کے نوٹ ہیں سارے۔"

گاموں نے جد پانچ ہزار کی تھبی دیکھی تو کھڑا کھڑا اچھل گیا۔ سوچیا چوہدری ٹھیک ہی کہتا ہے۔ پنج ہزار کے پچھے تو کوئی بے اصولی نیئں رہ جاتی۔ رقم پکڑ کر بولیا "رات کی بانگ پچھے

آجاناں۔ میں کڑی کی باہیاں دے دیاں گا۔ "

چوہدری نے کیا "بس میری تسلی ہو گئی۔ گل سمجھ آ گئی۔ بے فکری ہو گئی۔ رب راکھا"

رات کی عشاء کی بانگ کے بعد چوہدری پھر آیا تو گاموں نے ڈرا دھمکا کے اور دم دلاسا دے کے سلامتے کو تیار کر رکھیا تھا۔ چپ چاپ رات کے ہنیرے وچ چھوہر کوں چوہدری کی حویلی ول دھکا دے دیا اور آپ حق مہر کی رقم لے کے بیٹھ گیا۔

کوئی گھنٹے بھر بعد مراثیاں کا منڈا گلو حال دھائی کرتا۔ رولا ڈالتا نسا نسا گاموں کی کوٹھڑی تے آ گیا اور "چاچا چاچا" کی دوند مچا دی۔ گاموں گھابر کے باہر نکلیا تو آکھن لگا "چاچا ناں میرے کوں کوئی علم اے ناں پتہ اے۔ ناں میں پچھیا اے کسی تے۔ سدھا تیرے دروازے تے آ گیا ھیگا۔ بڈھا ڈاڈاں مار رہیا اے۔ رولا پائی جا رہیا اے۔ تیرے کوں ہاکاں مار رہا اے۔ میری جان چھڑا گاموں۔ میری دیہہ بچا"۔

"سلامتے کدھر اے؟" گاموں نے گھابر کے پچھیا۔

"پتہ نہیں" گلو بولیا "اندر ای ہوئے گی۔ میں ڈٹھا نہیں پر بڈھا آکھتا ہے میری جان مکائی جاندی اے۔ میکوں پھڈ دی نہیں۔ میکوں مار کے ساہنہ لیسی۔ گاموں کوں بلاؤ۔ گاموں کوں بلاؤ۔

ھن بھلا میں کی پتہ اے چاچا سلامتے کی کر رئی ہیگی اندر۔ چھیتی کر چودھری کی جان بچا"

گاموں سہم کے بولیا "اس ویلے میں کی کراں اور کس طریقے حویلی اپڑاں۔ سویرے سویرے جا کے حال حقیقت معلوم کر لوں گا"

"سویر تک بڈھا مر ویسی چاچا" گلو بولیا "اوہ بڑی تکلیف وچ ھیگا۔ کہندا اے میں معصوم ملوک کوں بگھیاڑی پکڑ لیا اے۔ سنی وچ میری جان چھڑاؤ میں کوں بچاؤ۔ میرے تے رحم کرو"

"سلامتے دی کوئی آواز پکار۔ گل بات۔ بول بچن؟" گاموں نے پریشان ہو کے

پچھیا۔

"میں کوئی چوبارے تے تھوڑی گیا ایں جو سلامتے کی گل دساں" گلو بولیا "میں تو چوہدری کی کوک فریاد سن کے ای منجی چھڈ کے اٹھ نسا اور تیرے دروازے تے آ گیا ہیگا۔ جلدی کر۔ چوہدری کا سل دور کر۔ سلامتے نے چوہدری مار چھڈنا اے۔ اس نے اپنی مروڑی نہیں چھڈنی۔ جا کے چھڑا" گاموں بولیا "ہن میں کی کراں۔ اوس سور کی بچی نے ہتھ ای ایسا پایا ہیگا کہ بندا ہل نہیں سکدا۔ یاں مر گیا یاں توبہ تلا کر کے چھٹ گیا۔ بول میں کی کراں۔ بھلا میں کی پتہ سی اوہ ایسی زہری ہیگی۔ باہروں بالکل ملوک۔ بالکل ساؤ۔ اندروں ایسی کپتی۔ میرے آکھیاں اوس چھڈ تھوڑی دینا ہیگا چوہدری کوں۔ دعا کرو۔ نال منت خوشامد کرو۔ چوہدری وی بچ جائے۔ گامو وی بچ جائے۔ بڑا بھاری مقدمہ بن سکدا ہیگا میرے پورے ٹبر تے۔ آل اولاد تے"

گلو ایہہ گل سن کے رولا پاتا۔ حال دھائی مچاتا پھیر حویلی کی طرف نس گیا پر گاموں اپنی تھاں تے اسی طرح بیٹھا رہیا۔

چل چلی

گرمیوں کی چھٹیوں میں جب میں پہلی بار شہر تے اپنے گھر آئی تو ابے نے اندر والے سارے کوٹھوں میں قلعی کرائی ہوئی تھی۔ سریوں پر تیل پانی کرایا تھا اور چھت پہ ٹیلیس لگوا دی تھیں۔ جد میرا یکہ گھر کے دروازے پر آ کر رکا تو میری ماں باہر نکلی۔ اس نے مجھے یکے تے اترتے دیکھا پر میرے سر تے موٹی چادر نہ پا کے واپس اندر چلی گئی۔ میرا دل گھابر گیا اور میں تیزی نال یکے تے اتر کے چوکھٹ نزیک آ گئی۔ میں اپنی آواز وچ ماں نوں ہاک ماری پر اندر تے کوئی جواب نہ آیا۔

میری ماں کوٹھے کی کاندھ نال لگی میرے اور ویکھی جاتی تھی اور بالکل چپ تھی۔ میں ماں کے نیڑے اپڑ کے اس کوں دوہاں باہواں وچ گھٹ لیا تے آکھیا "کی گل اے ماں. بولتی کیوں نئیں"۔ اس نے اپنا آپ چھڑان دی کوشش ناں کری تے اسی طرح کھڑی رہیں۔ میری ماں پہلے کدی وی اتنی چپ نئیں ہوئی تھی ناں ای اس طرح گم سم ہوئی تھی۔ میں واپس آ کے یکے وچوں اپنا سمیان کڈھیا تے اندر آ کے کرسی تے بیٹھ گئی۔ کرسی اوہی تھی جس تے بہہ کے میں میٹرک پاس کریا تھا. ایف اے کا امتحان دیا تھا تے پھیر بی اے کے فارم بھرے تھے۔

اماں چلیے نیڑے گم سم بہہ کے بھانڈے مانجن لگ گئی۔ اس کا سرنیواں تھا. موہڑے چھوٹے ہو گئے تھے تے باہاں سک گیاں تھیں۔ اوہ اک گڑوا دھو رئی تھی پر ناں پانی دی

آواز آرئی تھی نہ گڑوا بھوئیں تے گھن کی کوئی کھڑاک تھی۔ بس اک چپ تھی جنے سارے گھر کو اپنی جپھی میں جکڑ رکھیا تھا۔ میں ایک باری پھیر حوصلہ کر کے ھولی آواز وچ کیٹا "اماں"۔ پر اوس نی ان سنی کر کے سر نوا کے ای رکھیا۔ ریت بو کدی رئی. گڑوا دھوتی رئی۔

تھوڑی دیر پچھوں میں دروازے تے اپنے ابے کی آواز سنی۔ اوہ اپنے اوس بلد نوں ہنک رئیا تھا جو ہر وقت ھل ھل کے سمیان اتارن نئیں دیتا ہیگا۔ میں بھج کے باہر نکلی۔ میرے ابے نے سر اچا کے میکوں ڈٹھا تے میرے سکے ویکھ کے اچی آواز وچ "بلے بلے" کیا۔ میرے ابے کی آواز نغارے جیسی ہے۔ جد وہ گاؤں کے ایک کنارے پر بولتا ہے تو اس کی آواز دوسرے کنارے پر سنی جاتی ہے۔ پر آج ابے کی آواز بڑی کمزور تھی۔

ابے نے بر سیم کے پولے اتار اتار کے دروازے پر تھویاں لگانا شروع کر دیں۔ نہ میرے نزدیک آیا نہ پیار دتا۔ نہ کوئی ہور گل کیتی حالانکہ میں پورے چار مہینے بعد گھر آئی تھی۔

اندر آ کے میرے ابے نے ماں تے کیا "میرے جو گا باہر اک کم ہیگا صغراں جھٹ تہر کے آوں گا" ماں نے ھولی آواز وچ "اچھا" کیا تے کندوری وچ روٹیاں رکھن لگ گئی۔ پھیر ماں نے میرے آگے روٹی لائی اور پانی والا گلاس لینے چلی گئی۔ پانی لے آئی تے میں پھیر پچھیا "کی گل ہے ماں تو بولتی کیوں نہیں۔ کچھ آکھ۔ کچھ بول۔ کچھ پچھ۔ آج سب کوئی ہو گیا ہیگا؟" اس نے مدھم آواز میں کیا "ہونا کی ہیگا بی بی۔ جو ھونا سی اوہ ہو گیا۔ بول بچن کی کوئی تھاں نہیں رہ گئی"۔

میں روٹی کھا کے بھانڈے لجا کے آلے وچ رکھ دتے ھور سوچنے لگ گئی کہ اس گھر کو کیا ہو گیا اے جو کوئی میرے سے گل بات ای نئیں کرتا. بولتا ای نئیں ۔ اندر والے پلنگ کے شیشے میں میں نے اپنا منہ دیکھا۔ بالکل پہلے جیسا ای تھا۔ رنگت بھی وہی تھی۔ ناک نقشہ بھی پرانا تھا۔ پر میرے اپنے وڑ کے میرے اپنے پر کھ کچھ ھور ہو گئے تھے۔ میں اپنے جھولے وچوں انگریزی کتاب کڈھی تے پڑھن لگ گئی۔ ایہہ دو کڑیاں کی کہانی تھی جو ڈاکواں کے گروہ

نال مل کے بنک لوٹا کرتی تھیں۔ میں ان دونوں کڑیوں کے ساتھ اتنی گہری پھنس چکی تھی کہ آتے وقت ٹکے وچ وی ایہہ کتاب پڑھتی آئی تھی اور اب بھی میرے اندر بے قراری لگی ہوئی تھی۔

نماشاں ویلے مغرب کی نماز پڑھ کے جداں میرا ویر گھر آیا تے مجھ کوں گھر آئے دیکھ کر بہت خوش ہویا۔ میکوں پتہ تھا اور صاف دستا تھا کہ ویر آ کے ضرور میرے نال گل بات کرے گا اور حال احوال پچھے گا۔ اوس میرے کالج بابت. میری ٹریننگ بابت تے میرے امتحان بارے دو تن سوال کیتے۔ پھیر اوہ بھی چپ کر گیا۔ میں اس واسطے شہروں اک جوڑا جراباں اور اک کیلنڈر مورتاں والا لیائی تھی۔ میرے ویر کوں ان شیوں کا بڑا شوق تھا۔ پر جد میں ایہہ دوئیں شئیاں سوٹ کیس وچوں کڈھ کے باہر آئی تے اوہ ڈیوڑھی وچ جا رئیا تھا۔

ابا اپنے کام سے مڑ آیا تھا۔ میرا بھا عشاء کی نماز پڑھنے مسیت چلا گیا تھا۔ ماں ددھ جما کے منجی تے پے گئی تھی اور میں اپنے بسترے تے لیٹ کے سوچنے لگ گئی کہ میرے سارے گھر والوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کوئی گل کیوں نہیں کرتے ۔ کیا ہو گیا ہے کہ نہ میرے ساتھ بولتے ہیں نہ میرے سنگ بیٹھتے ہیں. نہ ہی میکوں اپنے گھر کا بندا سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا ہروا کیوں بدل گیا اے اور ان لوگوں پر کیا وقوعہ گزر گیا ہے کہ میرے سے بے تعلق ہی ہو گئے ہیں۔ پھر میں نے پاسا بدل کر کاندھ کی طرف منہ کر لیا اور یاد کرنے لگی کہ ان گھر والوں سے تو باہر کے لوگ ہی اچھے ہیں۔

کل رات جب میں لہور میں تھی تو کیسا اچھا وقت گزر رہا تھا۔ لوہے کے بیوپاری کا لڑکا جو اپنے ابا جی سے تھوڑا ای چھوٹا تھا. ہم دونوں سہیلیوں کو کھانا کھلانے چینی ہوٹل لے گیا تھا۔ رشیدہ نے تو کوئی زیادہ نہیں کھایا پر میں نے تین چار چیزیں منگوا کر خوب رج کر کھائیں۔ پھر وہ ہم کو اپنی موٹر میں بٹھا کر جہانگیر کے مقبرے لے گیا اور ہم آدھی رات تک چاندنی میں سیر کرتے اور گپیں مارتے رہے۔ اس کو کتنے اچھے اچھے لطیفے یاد تھے اور وہ ہر بات پر کیسا شرارتی ہاتھ بڑھاتا تھا اور میں اور رشیدہ دونوں کس طرح باری باری اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار

کر منتے تھے۔ پھر وہی ہمارا سامان ہوسٹل سے لے کر ہمیں سٹیشن پہ چھوڑ کر گیا تھا اور اس کی مہربانی سے ہم اپنے اپنے گاؤں پہنچی تھیں۔ پتہ نہیں میرے گھر والوں کو کیا سانپ سونگھ گیا کہ میرے سے کوئی بات ای نئیں کرتا تھا۔ ان سب نے میرے اندر کیا دیکھ کر منہ سجالیا تھا۔

ابا اپنے کام سے مڑ آیا تھا اور آتے ہی اپنی منجی پر ڈہیہ کر سو گیا۔ میں اس ویلے جاگ رہی تھی اور اپنے ابے سے باتیں کرنا چاہ رہی تھی پر اس کی وجہ دیکھ کر میں بھی چپ چاپ پڑی رہی۔

اگلے دن جد نوراں کو پتہ چلیا کہ میں چھٹیوں پر گاؤں آگئی ہوں تو وہ کوکڑے مارتی ہوئی میرے گھر آئی اور میرے ساتھ چمٹ گئی۔ پھر وہ اچانک گھابر کر پرے ہو گئی اور بولی "تیرے سے کیسی خشبو آرئی اے صفیہ؟"

میں کیا "میرے سے اوھی خشبو آرئی اے جو ہمیشہ آیا کرتی تھی۔ اب کوئی نوو یکلی تو نہیں ہو گئی خشبو"

اس نے منہ پرے کر کے آکھیا" ایہہ توکجان سی خشبو ہے۔ پہلے تو ایسی کدی نئیں آئی" میں اس کے منہ تے ہولی جیا اک دھپا مار یا اور دھکا دے کے بولی "تیری نک نوں کوئی بماری ہو گئی اے۔ اس کا علاج کروا۔ میرے پنڈے سے ہور کس کی خشبو آنی ہے!"

پھیر ہم دوھیں اس کے کھیت چلی گئیں۔ اس کا بھائی ابراھیم پیلی میں گوڈی کر رئیا تھا۔ میکوں دیکھ کے رنبہ چھڈ کے اٹھیا اور سدھا ہمارے نیڑے آگیا۔ اس کے متھے پر پسینہ تھا اور اس کی جھگی وی پسینے تے بھجی ہوئی تھی۔ کہن لگا "کی حال اے تیرے شہر کا؟"

میں کیا "شہر اے"۔ پھیر اس نے چنگی طرح میرے وجود پر نگہ سٹی۔ منٹ بھر گھوریا تے واپس جا کے پھیر گوڈی کرن لگ گیا۔

جد میں واپس اپنے گھر آئی تے نوراں میکوں ادھی واٹ وچ ای چھڈ گئی۔ اوس مرے نال کوئی لمی گل نئیں کیتی۔ ناں ای اپنے ویاہ کی تریخ بتلائی نہ ای اپنے جنے کا کوئی قصہ سنایا۔ حالاں شہر وچ غیر لوک وی ہم نوں اپنے سنگ بہا کے بڑیاں بڑیاں خفیہ اور ڈونگیاں گلاں

کریا کر دے تھے۔ ایدھر کوئی سدھی گل بھی نہیں کر رئیا تھا۔

حالی پرسوں شام کی وارتا ہے نویں سال کی رات ہم نے ساری رات اک کوٹھی وچ گزاری۔ ہائی فائی میوزک لا کے بھنگڑے نچے۔ منڈیاں نال ککلیاں ڈالیں پھیر بتیاں بجھا کے اک دوجے نوں لبھیا تے اک دوجے نال کشتیاں کیتیاں۔ کشتیاں کر دے کر دے سارے ای تھک ٹٹ کے اک دوجے کو سرہانے بنا کے کھنڈ گئے۔ رشیدہ ایس کھیل وچ ہمیشہ کھیہ اڑاتی تھی۔ اپنے آڑی کا مدا ای نئیں سمجھتی تھی تے اگوں بحث کرن لگ جاتی تھی۔ اچھا جی غیر تے اس طرح کے ملنہار، من بھاونے اور وارنے کرن والے تے اپنے گھر والیاں کا ایہہ ودھان ہی سدھے منہ گل کرنے کو وی تیار نئیں۔ پھیر اپنے پنڈ آنے کا کی فائدہ!

اگلے دن جد میں چاہ پین واسطے اٹھی تے اپنا ریشمی گون پا کے چلیے منے گئی تے میرے ابے نے چاہ والا پیالہ بھوئیں تے رکھ کے میری ماں کوں آکھیا "اج کویلا ہو گیا اے۔ میں پھیر آ کے چاہ پیوں گا۔ اج کھیت تے بڑا ای کم اے"۔ ابا چلا گیا اور بھا باہر نکلے تے منہ دھو کے صافی نال متھا پونجھتا اندر آیا۔ میں اوس کوں سلام کیتا۔ اوس سر ہلا کے بولے بغیر جواب دتا تے ماں کنے منہ کر کے آکھیا "ماں اج میرا سر بھارا بھارا اے۔ ہور متھے پڑ وی زور مارتی ہے اج میں چاہ نئیں پینی۔ ناغہ کرنا ہے"۔ اپنی گل کر کے اوس شتا لے کا دھگ اچایا تے باہر نکل گیا۔

میں چاہ پیتی۔ پراٹھا کھایا۔ ہتھ دھوئے تے باہر جا کے اک ایانے نوں بلا کے آکھیا "چل تے جا کے ویکھ کیدھر بابا سلیمان ہوتا ہے کہ نئیں۔ مل جاوے تے اوس آکھیں حفیہ بی بی واسطے ٹیکہ لے کے آجا" ایہہ کہہ کے میں اندر آ کے اپنیاں شئیاں سانبھن لگ گئی۔

چو کھی دیر پچھے بابا سلیمان ٹیکہ لے کے آگیا۔ میں اپنا سوٹ کیس تے جھولا لے کے باہر نکلی۔ بابے میرا سمیان ٹیکے وچ رکھیا۔ میں پشلی سیٹ تے بہہ گئی۔ بابے گھوڑے اگوں بڑیم چایا تے اگلی سیٹ ہیٹھ رکھ دتا۔ میری ماں دروازے نال لگی کھڑی تھی تے اوس اپنا پلو منہ اگے کر رکھیا تھا۔ میں اپنی ماں کی بہت اچھی پچھانو ہیگی۔ اوہ رو رئی تھی۔ میں منہ والا

تے ہتھ اچاکے اوس کو سلام کریا۔

بابے گھوڑے کو سانٹا ماریا۔ یکہ چلیا۔ میں بستی چھڈ کے واپس اپنے اصل پنڈے تے چاٹو ہو گئی۔ سر تے اک بھار جیہا اتریا۔ میں ہلکی پھل ہو کے آشنایاں روشنایاں وچ مل گئی شکر اللہ تیرا!

❋

اپنی ذات

تیس سال پہلے مولو تیلی کی شادی جیناں مدھری سے ہوئی تھی۔ پر اس کی گھروالی پورے چار مہینے اس کے ساتھ بسابسائی کر کے ابدل دھوتو کے ساتھ ادھالا کر گئی تھی اور انہوں نے نال والے گاؤں میں اپنا گھر بنالیا تھا۔ جد کدی ابدل دھوتو یا اس کی بیوی مولو تیلی کے مکان کے آگے سے لنگھتے. مولو نفرت سے زمین پر تھوک کر منہ دوسرے پاسے پھیرلیتا۔ وہ چالیس سال سے اسی گاؤں میں کولھو چلا رہا تھا اور جس طرح اس کے تینوں بلد ایک ہی بھوئیں پر چکر کاٹ کاٹ کر مر گئے تھے. مولو بھی اسی گاؤں کی گلیوں میں گھوم پھر کر عمر گزار رہا تھا۔

کبھی کبھی جد نبو میراثی اس کے سنگ بیٹھ کر حقہ بجاتے ہوئے شہر کی کتھا چھیڑ دیتا تو مولو کے جی میں شہر کے دیکھنے تکنے کا چاؤ پیدا ہو جاتا۔ پر کوٹھے میں پڑی ہوئی سرسوں کی بوریاں اور خالص پکی گھانی کا عشق اس کی راہ مار دیتا اور وہ بیل کی دم مروڑتے ہوئے کہتا. "بچو نبو. بے ایمانی کام شیطان کا۔ ایک دن کا تار ٹوٹ جائے تو بات صدیاں سال پرے چلی جاتی ہے۔ میں شہر چلا جاؤں تو میرے پیچھے کون چوڑے والی چونترے تے بیٹھی ہے جو بلد کو جو چڑا کے گھانی نکال لے گی۔"

نبو ہنس کر کہتا. "چاچا شہر کا نظارہ سٹورگ کا جھوٹا ہے۔ ایک دن کولھو نہ چلا تو تیری کون سی بکری بیٹھ جائے گی۔ پلیتہ لگا اس کام کو اور چل ایک بار سردار کے ساتھ۔ سونہہ رب کی شہر میں ایک سے ایک جان چھلا، ایک سے ایک چوزہ، چاچی کو نہ بھول جائے تو میرا سر

اور تیری جوتی۔"

مولو ایک دم مڑ کے کہتا۔ "لے پھر اسی بات پر قسم کھا جا میں نے کدی تیری چاچی کو یاد کیا ہے۔ اوئے زور اورا۔ ایک نار جو دو سے پھسی۔ چاہے ستر چاہے اسی۔ بھلا ایسی نار کو گولی نہ مار دوں۔"

نبو سر ہلا کر کہتا۔ "چاچا تیرا بچہ ہوں چاہے کچھ کہہ لے پر چاچی کی یاد تیرے دل سے گئی نہیں بھانویں تیس برس لنگھ گئے۔"

مولو ہولے سے آکھتا۔ "یار اپنے اختیار کی بات نہیں بچو۔ پر میرا دل اس کافرنی سے بیزار ہے۔ تیری سونہہ میں تو اسے دیکھ کر تھوک دیتا ہوں۔"

"تھوکنے سے کام نہیں بنتا" نبو کہتا۔ "تو یوں کر چاچا نکاح کر لے کسی سے اور اگر
"

"کس سے کروں نکاح؟" مولو ٹٹول کے پوچھتا۔

"کسی سے کر لے چاچا۔ مدی کی بہن مٹیار ہو گئی ہے۔ تیری سونہہ میرے کتنے تیرے جتنا ناداں ہو تو اس کو بانہہ سے پکڑ کر اپنے گھر لے آؤں۔"

اور مولو کولہو چلاتے تیل پکاتے اور مونڈھے پر صافی رکھ کے لٹھ کاڑھتے ہوئے مدی کی بہن کے بارے میں سوچنے لگتا۔ لیکن غیر ذات کی عورت پر اس کا دل نہ جمتا تھا۔ پہلے اس نے تین سودے کر لوہاروں کی لڑکی سے بیاہ کیا تھا پر اب وہ ہور رقم بھر کے دوبارہ وہی غلطی کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کوئی اپنی ذات کی تیلن ہو۔ اس کو لٹھ کی طرح اٹھا کر منجی پر پھینک دیا کرے اور پھر اس کے پنڈے پر مالش کر کے اسکو تیار کر دیا کرے۔ پر اس سارے علاقے میں سوائے اس کے اور کوئی تیلی نہ تھا اور اس کے دن رات وگتے کولہو نے اسے دور دور کے گاؤں کا کبھی دورہ نہ کرنے دیا۔

اس ان تولی دھرتی تے لے دے کے مولو کی کل کائنات ایک کوٹھا اور اس کے پچھواڑے ایک کھلا ویڑا تھا جدھر وہ اپنا بلد باندھ کر اس کے قریب ڈھیلی منجی پر سویا کرتا تھا۔ لیکن اسی ان تولی دھرتی کے اندر اس نے روپوں سے بھرے تین گھڑے گاڑ رکھے تھے، جن کا علم

سوائے اس کے اور اس کے ناگوری بلد کے اور کسی کو نہ تھا۔

منجی تے ڈھیہہ کے اس کی نگاہ سردار کے پکے محل پر پڑتی، جس کی سب سے اوپر والی ماڑی کی کھڑکیاں اس کے ویڑے میں کھلتی تھیں۔ پر وہ کھڑکیاں کبھی کھلی نہ تھیں۔ وجہ یہ کہ اس چوبارے میں کوئی نہ رہتا تھا۔ سردار مہینہ مہینہ بھر نبو میراثی کے ساتھ شہر رہتا۔ اس کے لڑکے مزارعوں کی کڑیوں کے پیچھے مشکے پھرتے اور ان کی بوڑھی ماں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چوبارے میں جا نہ سکتی تھی۔

آخر ایک دن بھبی اپنے پیارے شہر اور گھنے سارے گاہکوں کو چھوڑ کر سردار کے ساتھ اس کے گاؤں آنے پر راضی ہو گئی۔ سردار نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا اور بھبی کالا برقع لے کر اور اس کی ڈوری ٹھوڑی ہیٹھ باندھ کر سردار نال گاؤں آ گئی۔ کئی سالوں کے بعد اس چوبارے کی کھڑکیاں کھلیں۔ سب نے آ کر سردار کو مبارک باد دی اور سردار نے شہر جانا چھوڑ دیا۔

چوبارے میں سارا دن گراموفون بجنے لگا۔ کھڑکیوں سے بالوں کے گچھے مولو کے ویڑے میں گرنے لگے اور بھبی کی مائی پھول دار قمیضیں، رنگ برنگی شلواریں اور لمبی لمبی ساڑھیاں سکھانے کے لئے کھڑکیوں میں لٹکانے لگی۔

نبو میراثی کو جب حقے کی طلب ہوتی، وہ مولو کے یہاں آ کر کہتا۔ "چاچا جس طرح سچی سرکار نے اتنے سالوں کے بعد سردار کی سنی ہے، اللہ مولا تیری بھی سنے اور مدی کی چوڑے والی بہن تیرے گھر آ جائے۔" پر مولو کہتا "بچو، مدی کی بہن ہو چاہے لنڈے لاٹ کی بہن ہو، سب چرسیا یار ہیں۔ دم لگایا اور کھسکے۔ عورت ہو تو اپنی ذات کی۔ نہیں تو جھابے کی ٹوئی بھلی۔"

نبو پوچھتا۔ "پر چاچا اپنی ذات کی عورت کا کوئی گن بھی بتا۔"

مولو منہ پر تیل چپڑ کر آکھتا۔ "سن میری بات! مولو نے لوہاروں کی مٹیار تین سودے کر بیاہی اور وہ چوتھے مہینے ایسی گئی جیسے میست سے جوتی۔ اپنی ذات کی ہو تو بارہ کوس سے نٹھی نٹھی یوں ملنے آتی ہے جیسے بھینس کی طرف کٹڑا۔ تم بیٹوں برابر ہو پر ایک بات سن

لو۔ اگر میری ذات کی کوئی مٹیار چار گاؤں چھوڑ کر بھی ہوگی تو حب کر کے میری دید کرے گی۔ چاہے میرے بچے آ گئے ہوں یا میرا آٹا ختم ہو گیا ہو۔ ''

نبو ہنس کر کہتا، ''چاچا تیرا پڑھا تو ہی وچار سکتا ہے۔ ہم تو تیرے آگے گھگھو ہیں، رنیٹر گھگھو۔ ''

اللہ نے سردار کا چوبارہ بسایا تو مولو کا دل بجھ گیا۔ وہ سردار سے پانچ چھ سال بڑا ہو گا لیکن اس کی قسمت سردار سے کئی ہاتھ چھوٹی تھی۔ تیل پکاتے ہوئے اس نے اپنی چمرخ جانگھوں کو دیکھا جو تیل ملنے پر بھی تیار نہ ہوتی تھیں۔ مولو بے آس بے مراد ہو گیا اور دن میں دو گھانیاں نکالنے کے بجائے ایک ہی نکالنے لگا۔ دوپہر تک کام سے فارغ ہو جاتا اور پھر منجی پر لیٹ کر حقہ بجانے لگتا۔

پر ایک شام چوبارے کی کھلی کھڑکی میں سوکھنے والا کوئی کپڑا ہوا کے زور پر نیچے اس کے ویڑے میں آ گرا۔ وہ بلد کو پٹھے ڈالنے کے لئے اٹھا تو اس نے اس کپڑے کو اٹھا کر غور سے دیکھا اور جھٹا پٹ سمجھ گیا۔ مولو کو جادو ٹونے پر بڑا اعتقاد تھا۔ سمجھ گیا کہ ابدل دھوتو کی بیوی نے ٹونا کر کے اس کے بلد کی آنکھوں پر چڑھانے والے کھوپے چمڑے سے کپڑے میں تبدیل کر دیئے ہیں۔ لیکن جب اس نے اپنی کوٹھڑی میں آ کر چمڑے کے کھوپے کو دیوار سے لٹکتے دیکھا تو وہ کپڑے کے کھوپے لے کر پھر بلد کے پاس آ گیا اور اسے بلد کی آنکھوں پر رکھ کر ڈوریاں سینگوں کے گرد لپیٹنے لگا۔ ڈوریاں کچھ عجیب سی تھیں. نہ سینگوں کے گرد لپٹتی تھیں اور نہ گردن کے گرد پوری آتی تھیں۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اوپر چوبارے کی طرف دیکھا۔ کھڑکی میں اسی طرح کا ایک اور کپڑا زمین پر اترنے کے لئے پھڑپھڑا رہا تھا۔ مولو نے خوش ہو کر بلد کو تھاپڑیا اور کہا ''لے بیٹا، شہری سہی، پر ہے میری ذات کی تیلن۔ ''

اور دونوں باہیں بلد کی گردن میں ڈال کر جھومنے لگا۔

جنگ نامہ زیتون

حنفیے گجر کی دھی سکیراں بڑی جی دار کڑی تھی۔ منہ ماتھے کی جتنی اچھی، مزاج کی اتنی ہی کڑوی۔ اسی جھل سے تنگ آ کے سکیراں کی سہیلیاں ہر ویلے اس کی برائی کرتیں اور اس کی پیاری سہیلی دھاموں کو اک پاسے لجا کے طعنے مہنے دیتیں کہ اس نے سکیراں کو سر چڑھا کر نخرے پٹی بنا دیا ہے۔

اماں طالیاں کے کوٹھے کا پچارا کرتے ہوئے ایک دن جب شادو نے سر پھر بٹھل اٹھا کر سکیراں کی نقل اتاری تو سب کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ سکیراں بڑے آرام سے سیڑھی سے اتری اور شادو کو چڈھی پر چڑھا کر ایسی الٹ بازی دی کہ مہینہ بھر اس کی بکھی میں پیڑ اٹھتی رہی۔ اس واقعہ کے بعد سب لڑکیوں کو کان ہو گئے اور وہ سکیراں سے دبنے لگیں۔ پر سچی بات تو یہ ہے کہ سکیراں سے صرف لڑکیاں ہی نہ دبتی تھیں، گاؤں کے سارے گبھرو بھی اس سے بات کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔

چاچا حنفیا صبح شام ٹم ٹم جوت کر شہر دودھ لے کر جاتا اور باقی تمام دن سویا رہتا۔ بھینسوں کی ٹہل سیوا، بڑی بڑی گاگروں کی دونوں وقت صفائی، برسیم کی کٹائی اور میر آب سے باری جھگڑے سکیراں ہی کو نپٹانے پڑتے۔

گاؤں کی حیاتی ماکھو کے چھتے جیسی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ کام کرتے ہیں تو روٹی پاتے ہیں اور کچھ آرام کرتے ہیں تو روٹی کھاتے ہیں۔ منہا ببل اور باگو خوشیا تو خیر گاؤں کے پہلوان

تھے۔ کشتی لڑتے تھے، سونچی کھیلتے تھے تو گاؤں کی عزت ہوتی تھی۔ لیکن مندی سوتر یا پتہ نہیں کیا تھا جو گاؤں والے اس پر جان چھڑکتے تھے۔ ماڑا سا وجود، درمیانہ قد، منہ پر چیچک کے داغ، کندھوں تک لمبے پٹے اور عورتوں جیسے ہاتھ۔ پر ایک چیز بڑی زور آور اس کے پاس تھی اور وہ تھیں اس کے شکرے جیسی آنکھیں! ایسی دور مار کہ تھانے دار کے دل کی بات نکال لیں۔ پھر اپنے کوٹھے میں ونگ بجاتا یا کھیتوں پر ہالیوں کو مرزا سنانے نکل جاتا اور رات کو جب گاؤں کے سب لوگ شاملات میں اکٹھے ہو جاتے تو چار بول ہیر کے سنا کر سب کی تھکن دور کر دیتا۔

منہا ببل، مندی کا پکا جٹ تھا اور ہر کام کرنے سے پہلے اس کی صلاح ضرور لیا کرتا۔ جب سے سکیراں کے عشق کا بھوت اس کے سر پر سوار ہوا تھا اس نے مندی کی نیند حرام کر دی تھی۔ آدھی آدھی رات تک وہ سکیراں کو پکڑنے کے طریقے پوچھتا رہتا مگر صبح سکیراں کے سامنے جاتے ہی سب کچھ بھول جاتا۔ سکیراں سے اس کی گل بات دو بولوں سے آگے نہ بڑھ سکی۔ وہ سورج نکلتے ہی سکیراں کے گھر کا رخ کرتا اور دروازے میں کھڑا ہو کر پوچھتا۔

"سکیراں چاچا شہر گیا؟"

اور سکیراں چارہ کاٹتے ہوئے کہتی "ہاں"۔ "ٹم ٹم پر گیا ہے؟" پھر وہ پوچھتا۔

اور سکیراں ٹوک کر کہتی "نہیں اڑن کھٹولے تے گیا ہے" اور منہا ببل واپس مندی کے پاس پہنچ جاتا۔ باگو کشتی اور سونچی میں منہے ببل کا جوڑ تھا اس لئے اس نے مندی کو یار بنانے کی کوشش نہ کی۔

پاکستان بننے کے بعد للے خاں میوان کے گاؤں میں آ کر بس گیا تھا اس لئے باگو نے اس کے ساتھ یارانہ گانٹھ لیا۔ اس گاؤں میں پہنچتے ہی للے خان کا نام تبدیل ہو گیا تھا اور سب چھوٹے بڑے اسے للا گھیچری کہنے لگے تھے۔ باگو خوشیے کا للا گھیچری کے پاس پہنچ کر کہنا ـــ

"یار گھیچری تمہارے دیس کے آدمی تو بڑے سیانے ہوتے ہیں کوئی نسخہ سکیراں سے بات کرنے کا بتاؤ۔"

اور للا سر کھجا کر کہتا۔ "خیر سیانے تو ہمارے گام میں بہت تھے۔ پر اپنے دیس کی لگائیاں ایسی کٹھور نہ تھیں۔ سنا ہے مارے بھی ہے۔"

باگو نے سینہ تان کر کہا۔ "مارے سو بار مارے، پر ایسی گجھی مار نہ مارے جو ساری رات سونے نہ دے۔ میں تو جاگ جاگ کر بھگل ہو گیا ہوں"

للا نے ہنس کر کہا.......... "ارے باگو! تو گدھی کمہار کی، تجھے رام سے کیا کام۔ چپکا سو رہیا کر اور لکاڑ دے سکیراں کا خیال، نہیں تو باولا ہو جائے گا سالے!"

"ہو جائے گا!" باگو نے حیران ہو کر آکھیا، "ہو گیا گھیچری ہو گیا۔ کوئی دن کی بات ہے گلیوں کی ٹھیکریاں اٹھاتا پھروں گا۔"

للا نے کہا۔ "تو پھر جادو ٹونا کر دیوں؟"

"ہاہا" باگو نے جیسے ٹھنڈے پانی کا گھونٹ بھر لیا.......... "ایسی ٹپس لگا کر چاچا خفیا رشتے کے لئے آپ چل کر آئے۔"

للا نے کہا۔ "تو پھر چتلی مرغی کا ایک انڈا لا۔"

اور باگو چتلی ککڑی کی تلاش میں نکل گیا۔

سکیراں بھینسوں کے سینگوں کو تیل چپڑ رہی تھی اور دھاموں کھرلی پر بیٹھی دنداسہ مل رہی تھی۔ بھینس نے سر ہلایا تو سکیراں نے اس کی تھوتنی پر زور سے مکا مارا۔ دھاموں نے ہنس کر کہا۔ "اس بے چاری پر غصہ کیوں نکالتی ہے۔ یہ کوئی منہا ہے۔"

سکیراں نے کہا۔ "اپنے ڈھولے کو میرے پلے کیوں باندھتی ہو۔ یاد آتا ہے تو"

دھاموں نے بات کاٹ کر کہا۔ "اچھا منہا نہ سہی باگو سہی۔"

"باگو؟" سکیراں نے حیران ہو کر کہا۔ "وہ ٹنڈا بھڑ بھڑیا۔"

دھاموں نے کہا۔ "ہاں"

سکیراں ہنس پڑی اور اس کی طرف منہ پھیر کر کہنے لگی۔ "نی پھٹے منہ کسی آدمی کا نام تو

لیا کر۔ "

دھاموں نے کہا۔ "لے وہ تیرے بھانویں آدمی ہی نہیں۔ اڑیئے پہلوان ہے پہلوان۔ "

سکیراں پھر مسکرائی اور بولی .... "لے پھر ایک ڈانگ اسے دے دے اور ایک مجھے، قسم قرآن کی بھید نہ کھول دوں تو میں سکیراں نہیں۔ "

دھاموں نے کہا۔ "بھلا تجھے ڈانگ سوٹے کی کیا ضرورت، تیرے نین مومولے چھویوں سے کم ہیں۔ ـــــ اچھا چل باگو ہار گیا، منہیے بیل سے لڑے گی؟"

سکیراں نے کہا .... "نا .... وہ نمانا تو آکا باکا مکئی کا راکھا ہے۔ مجھے تو تمہارے بچھے جیسا لگتا ہے۔ بے زبان گھگھو! "

دھاموں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "بخش سکیراں بخش! کوئی ہمارے بچھے جیسا ہے، کوئی ٹنڈا بھڑبھڑیا ہے۔ آخر گاؤں میں کوئی تیرے جوڑ کا ہے بھی۔ "

سکیراں نے تیل کی کٹوری کھرلی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اوں ہوں۔ "

دھاموں نے کہا۔ "پھر چل اڑیئے مندی سے تیری صاحب سلام کرا دیں، تو ڈھولکی بجاتی ہے وہ کنگ بجاتا ہے ستھرا میل رہے گا۔ "

سکیراں نے ہنس کر کہا۔ "اس سے تو تیرا میرا میل ہی ستھرا ہے۔ اس سے تو اچھا تگڑا بھرو ناشتالے کا بھی نہیں اٹھتا۔ ہاتھ دیکھے ہیں؟ چڑیوں کے پنجے۔ "

دھاموں نے ناراض ہو کر کہا۔ "اڑیئے کنگ بجاتا ہے کوئی مورچہ تو نہیں پکڑتا۔ "

سکیراں نے کہا۔"نی دھاموں اس کے سر پر پھلکاری دے کر سمی کیوں نہ نچایا کریں۔ سرمے دانی جیسی کمریوں مروڑے کھایا کرے گی۔ " اس نے انگلی گھمائی۔

دھاموں نے پھر ناراض ہو کر کہا .... "نی تو گوجروں کی دھی ہے کہ بازی گروں کی، کوئی بات مانتی ہی نہیں، مجھے بھی سچی سچی بات نہیں بتاتی۔ "

سکیراں نے مسکرا کر کہا۔ "قسم خدا کی کوئی بات نہیں۔ "

دھاموں نے کھرلی سے ایک تیلی اٹھائی اور اس کے سر پر رکھ کر کہا۔ "لے تیرے سر

پر سوکی تیلی ہے، سچی سچی بتا کون ہے۔ "

سکیراں ہنسنے لگی اور اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی "کوئی نہیں، قسم قرآن کی کوئی نہیں، اس بستی میں کوئی آدمی ہے ہی نہیں، سب آکے باکے ہیں۔ "

منہیے بیل نے مندی کے پیر پکڑ لئے اور کہا۔ "لے پھر تو میرا بھائی نہیں، تجھے وارے شاہ کے کلام کی مار پڑے جو مجھے گر نہ بتائے۔ "

مندی نے کہا۔ "چاچا! کیوں گنہگار کرتا ہے۔ عورت ذات بٹیر تو ہوتی نہیں کہ بھگواں لپیٹ کر اور سرک پھیر کر جال میں پھنسا دیا، یہ تو .... "

منہیے نے کہا۔ "بس بس کوئی ایسا ہی گر بتا جیسے سرک پھیر کر بٹیرے پکڑتے ہیں۔ رشوت دے کر موگھا کھلواتے ہیں۔ ڈھائی ڈال کر بچھیرا لدو کرتے ہیں اور صاحب تجھے نیکی دے، لیٹے ہوئے آدمی پر گنڈاسی سے وار کرتے ہیں .... کھڑے پر بلم سے بس تو اپنا پڑھا لکھا وچار، کوئی ایسا ہی ہتھیار بتا۔ "

مندی نے کہا۔ "تو پھر تو چاچے حنیفے سے بات کر۔ "

منہیے نے ذرا سوچ کر کہا۔ "اس سے تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ "

"اس سے ڈر لگتا ہے تو سکیراں سے من کی بات کہہ دے۔ "

"سکیراں سے!" منہیے نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ " توبہ توبہ۔ میرے بابے کی بھی توبہ۔ "

مندی نے ہنس کر کہا۔ "تو پھر ویر میرے! پہلوانی چھوڑ کر مدرسے پڑھنے بیٹھ جا! آپ ہی چیت لگ جائے گا۔ "

منہیے نے غمگین ہو کر کہا۔ "دیکھ لے تو میرا بھائی تھا اور بھائی بھائی کا بازو ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو دھوتا ہے پر تو میری مدد نہیں کرتا۔ "

مندی نے کہا۔ "بیبا! بھائی تو میں اب بھی ہوں پر تم ہی .... خیر آج چاچا شہر سے آ جائے تو میں اس سے بات کرتا ہوں۔ "

منہیے نے اس کے گھٹنے پکڑ لئے اور بولا۔ "خدا کے لیے ایسا نہ کرنا نہیں تو میں ایڑیوں کو

تھوک لگا کر بھاگ جاؤں گا۔ "

منڈی نے کہا۔ "منہیا وقت وقت کی بات ہے۔ ایک وقت پگڑی پھانسی کا پھندہ بن جاتی ہے۔ ایک وقت پاؤں پر رکھ دینے سے جان بچا دیتی ہے۔ سیانوں نے کہا ہے کہ ہتھیار وہی جو ویلے سر کام دے جائے۔ یہ کنگ بھی ہتھیار ہے ہور میرزا صاحباں بھی ہتھیار ہے۔ یہ پھٹا پرانا سیف الملوک بھی ہتھیار ہے۔ جو موقع پر کام دے وہی ہتھیار۔ اور جس وقت کچھ بھی پاس نہ ہو تو ہتھیار کا نعرہ بھی ہتھیار۔ "

منہا بیبل ہنس پڑا اور منڈی کا تمسخر اڑاتے ہوئے بولا۔ "واہ گورو جی واہ! قصہ مرزا صاحباں ہتھیار، قصہ سیف الملوک بھی ہتھیار، سیدوارے شاہ تو کوٹھا کاغذوں کا لکھ کر بھاگ بھری گھر نہ لا سکا۔ اور ہمارے گورو کے ہتھیار پوتھیاں .... واہ گورو جی جیو۔ "

اگلے دن منہے بیبل نے کھیت میں سکیراں کو خدا جانے کیا کہہ دیا کہ اس نے بات کا جواب دیئے بنا پہلوان کے منہ پر زور سے لپڑ مارا اور پہلوان بے عزتی کے ڈر سے گاؤں چھوڑ کر اللہ جانے کہاں بھاگ گیا۔ جب یہ بات سجن ہالی کی زبانی گاؤں پہنچی تو باگو نے کچہری سے چتلی ککڑی کے انڈے پر لکھوایا ہوا منتر کنوئیں میں پھینک دیا۔

شام کو جب منڈی پھٹا پرانا قصہ سیف الملوک بغل میں دبا کر منہے کی تلاش میں گاؤں سے باہر نکلا تو کیکروں کے پیچھے برسیم کے کھیت میں اسے سکیراں نظر آئی۔ وہ شتالے کا بھروٹا اٹھا رہی تھی۔ جب اس نے گٹھا اٹھا کر سر پر رکھ لیا تو منڈی نے جا کر اس کی بانہیں پکڑ لیں۔ بھروٹا کھیت میں گر گیا اور اس ڈگمگاہٹ میں پہلے سکیراں ہرے ہرے شتالے کے بستر پر گری اور پھر منڈی۔ سکیراں نے چیخ مار کر "چاچا" کہا تو منڈی آہستہ سے بولا .... "رولا کیوں کرتی ہو۔ میں تو یہ پوچھنے آیا تھا کہ تیرا چاچا تم جوت کر شہر گیا ہے کہ نہیں؟"

"ہاں" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

منڈی نے کہا۔ "اوہو مجھے یاد نہیں رہا۔ چاچے کو بارہ آنے دے دیتا تو میرے لئے شہر سے قصہ جنگ نامہ زیتون لے آتا۔ "

سکیراں نے مسکرا کر کہا۔ "ہائے میں تو ڈر گئی کہ اللہ جانے مجھے دھکا کیوں دیا۔ "

منڈی بولا۔ "اگر میں کریمے دکاندار سے کہتا تو مجھے روپے میں لا کر دیتا اس لئے میں نے سوچا کہ چاچا حنفیا روز شہر جاتا ہے اس سے کیوں نہ منگواؤں۔ "

سکیراں نے کہا۔ "چاچے کو تو شہر گئے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا اور وہ دو تین گھنٹوں سے پہلے نہیں آئے گا۔ تو پہلے آتا تو ...." پھر اس نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا ....

"اڑیا! ہاتھ تو چھوڑ میری بانہہ مروڑی کھا گئی ہے۔ "

منڈی نے ایک کھینچا مار کر سکیراں کو کھیت میں گرا لیا اور پکا منہ کر کے آکھیا "فقیروں کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتے سکیراں، دل سے دل جوڑ کر بیٹھتے ہیں۔ سوالی کو پدایا نہیں کرتے، سوال پورا کرتے ہیں۔ "

سکیراں اپنا منہ اوپر اچا کے بولی "میں کی جانوں تیرا سوال کی اے"

منڈی نے کہا "بس اک ای سوال ہے شہر سے جنگ نامہ منگوا دے میرے نال صلح کر لے۔ "

سکیراں گٹھڑی سی بن کر اس کی کچھڑ میں اس طرح سما گئی جیسے کپاہ کے ٹینڈے میں پھولی پھولی روئی!

ڈھیچک مال

بیالی چک میں سپید پوش کے گھر ایک بچھیری تھی کہ ساری ریاست میں اس کا جوڑ نہیں تھا۔ ارد گرد کے چور اور رسہ گیر باری باری اپنی قسمت آزمائی کر آئے تھے۔ پر حویلی میں قدم دھرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ادھر کاٹھیاواڑی بچھیری شالے کے کھیتوں میں چھالاں مارتی اور برساتی نالوں کا پانی پیتی بو سکی کا تھان بنتی گئی۔ کھال ایسی صاف ستھری کہ پنڈے پر نگاہ نہیں پڑتی تھی۔ آہٹ پا کر دونوں کنوتیاں یوں جوڑتی کہ بال برابر جگہ ان میں باقی نہ رہتی۔ چلتی تو لس لس کرتے وجود پر دھوپ چھاؤں غوطے مار مار کر ڈوبتی ابھرتیں۔

گازی، پھلا اور بمبو، چک سیداں کے نامی چور تھے، پر تھے بے ایمان۔ کئی بار تینوں مل کر دھاڑا مارتے تو مال میں سے ایک آدھ جانور بیچ کر خود ہی کھا جاتے اور جاگیردار کو حصہ نہ دیتے۔ جاگیردار ان کی اس بدماشی سے واقف تو تھا پر زور زیادتی کر کے مال نہ اگلواتا۔ جانتا تھا کہ آدمی کام کے ہیں اور اس زمانے میں جب گاؤں گاؤں بستی بستی مدرسے کھل گئے ہیں، ایسے آدمی ہور نہیں مل سکیں گے۔

گاگو کی مونچھیں ابھی چھوٹی ہی تھیں کہ دریا پار جا کر آباد کاروں کی ایک ہیرے جیسی ڈاچی اس طرح اڑا لایا تھا جیسے ڈب میں چلم بھر تمباکو چھپا لایا ہو۔ اس نے آتے ہی یہ ڈاچی جاگیردار کی نذر کی اور حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ جاگیردار نے بھرے ڈیرے

میں گاگو کو شاباش دے کر کہا، ''قسم قرآن کی جیکر تو پانچ جانور اسی طرح اور لے آیا تو گازی اور پھلے کے ہاتھوں تیرے سر پر پگڑی بندھوا دوں گا۔'' گازی نے شرمندہ ہو کر اور سر جھکا کر آکھیا تھا ''سائیں یہ لے آئے گا۔ اس خنزیر کا ہاتھ بہت صاف ہے۔ مال پر رندہ پھیر سکتا ہے۔'' جب خنزیر کا صاف ہاتھ ہر ایک نے مان لیا تو گاگو چور برادری میں رل گیا اور اس کی ماں نے بھرے وقت نگن منا کے ساری بستی میں مکھانے تقسیم کئے۔

چاروں یار ادھی رات ویلے کام پر نکلتے تو بمبو بیالی چک والی بچھیری کا ذکر ضرور کرتا۔ پھلا کہتا، ''بمبو بھولیا! میرے تیرے بھاگوں میں وہ بچھیری نہیں ہے سوھنیا۔ وہ تو بادشاہوں کی سواری ہے۔ سرداروں کا مال ہے۔ تیرے جیسا کالے منہ والا تو اس کی ہوا کی طرف بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

بمبو ٹھنڈی ساہ لے کے آکھتا ''سچ ہے سوہنیا، سچ ہے، پر کتا دل ہے نا۔ اس لئے خیال آ جاتا ہے''۔ گازی ہنس کر کہتا ''ہور سنو۔ گنجی کبوتری محلوں میں آلنا۔ بھلا تو کیا اور تیری اوقات کیا!''

''ہے تو بچھیری نا''۔ گاگو انتکال سے کہتا، ''چار سو کی نہ ہو گی ہزار کی ہو گی''

''بچھیری!'' گازی حیران ہو جاتا، ''چناں! خالی بچھیری ہوتی تو ہم اس تے دھار بھی نہ مارتے۔ پر یہ ہور قسم کا جانور ہے۔ حضرت جی کا براق، مولا علی کا دلدل، مرزے کی بکی، دلے کی نیلی۔ چناں! ہنر مند بچھیری ہے۔ سیت سمجھ کے بجلی ہو جاتی ہے۔ بکھی بھار ہو کے تیرے آگے نکل جاتی ہے۔'' پھلا بات کاٹ کر کہتا۔ ''چاچا چھوڑ سب باتیں، کوئی بچھیری ہے، مٹیار ہے مٹیار۔ شاہ جوان، توت کے ڈالے جیسی ندھڑک!''

اور گاگو چڑ کر کہتا ''پر دکھاتے تو ہے نہیں، شاہ جوان مٹیار۔ منہ زبانی توت کا ڈالا کون توڑ لائے۔''

پر اب بچھیری پار سال سے بیالی چک میں نہیں تھی۔ سفید پوش نے اسے اپنے ایک یار کے پاس سرکاری علاقے میں اپڑا دیا تھا اور وہ اسے گھوڑ دوڑ کے لئے تیار کر رہا

تھا۔

گاگو چور تو بڑا ستھرا تھا، لیکن ایک عیب اس میں بڑا بھاری تھا کہ وہ اپنے یاروں کی طرح بے ایمان نہیں تھا۔ جتنا مال چراتا سارے کا سارا سائیں کے پاس لے آتا۔ حصہ مل جاتا تو خوش، نہ ملتا تو متھے تے نہ تیوری نہ کوئی لکیر۔ پر سفید پوش کی بچھیری کی باتاں سن سن کے اس کا جی بھی بے ایمان ہو گیا تھا۔ اور وہ بچھیری کو اکیلا ہی اڑا لینا چاہتا تھا۔ پر اس گنی جانور کا مالک بننے کے لئے گاگو کو اپنا گاؤں چھوڑنا پڑتا تھا، کیوں جو جاگیردار اپنے ہوتے ہوئے ایسی لالوں کی لال کسی کمیں کے قبضے میں نہیں دیکھ سکتا تھا اور اپنے باپ دادا کا گاؤں چھوڑنے پر گاگو رضامند نہیں تھا، اس لئے کہ اس کے پیچھے اس کی بڈھی ماں اور جوان بہن بے آسرا رہ جاتی تھیں۔

گاگو کام تھوڑا کرتا تھا پر اس کی آدر سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ آج تک اس نے ٹٹو اور ڈاچی کے سوا کسی اور جانور پر ہاتھ صاف نہیں کیا تھا۔ ڈھیلے مٹھے جانور کا رسہ اس نے کبھی پکڑا ہی نہیں تھا۔ وہ تو بس ترت پھرت چیز کا عاشق تھا کہ کھونٹے سے کھلی اور ساتھ چلنے پر فٹ تیار ہو گئی جیسے دن بھر اس کی راہ چتارتی رہی ہو۔ ایک بار بدقسمتی سے بھینس چرانے کی چٹا اس کے گلے آ پڑی تھی اور وہ بھی زبردستی اور بالکل زورازوری۔ گھنٹہ بھر کی محنت کے بعد جب دیوار پھاڑ کر وہ کوٹھے میں داخل ہوا تو وہاں صرف ایک بھینس ہی بندھی تھی۔ پہلے تو اس کے جی میں آئی کہ پینک ماری لوتھ کو دفع کرو۔ لیکن پھر خیال آ گیا کہ ساتھی کیا کہیں گے، گاگو خالی آ گیا۔ جتنا وقت کاندھ میں چھیک لگانے میں لگا تھا اس سے دوگنا بھینس کو تھان سے اٹھانے میں لگا۔ ساری راہ آر سے ٹھوکے دے دے کر اس نے پنج کلیان کو خونا خون کر دیا، مگر اس کے قدم اپنے حساب مطابق ہی اٹھتے رہے۔ آدھے پینڈے بعد اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بے بے بھینس کو سلام کیا اور نہر کے کنارے آ کر ساتھیوں سے کہا، ''واسطے اس رب کے پھیر کدی ایسی جگہ نہ بھیجنا۔ قسم قرآن کی چلتی ہی نہیں۔ پتا نہیں کیا چیز ہے! جاؤ اپنی ماسی کو جا کر سمھال لو کالے ٹبے کے نیڑے چھوڑ آیا ہوں''۔ تینوں یار چھالیں مارتے کالے ٹبے کی طرف ہوا ہو گئے۔

سردیوں کی اجال پاکر راتیں گزر گئیں تو گاگو کو بخار آنے لگا اور وہ دو تین دن تک منجی پر پڑا رہا۔ رات کے وقت چاروں یار اس کے گھر میں مجلس جماتے اور پرانے مارکوں کی یاد تازہ کرتے۔ ایک شام بمبو خبر لایا کہ سفید پوشاں کی بچھیری بیالی چک واپس آ گئی ہے اور اس نے اپنی آنکھوں سے اسے نیائیں میں چرتے دیکھا ہے۔ گاگو کے کہنے پر گازی اور پھلا اگلے دن بات کا جھوٹ سچ معلوم کرنے بیالی چک گئے۔ دوپہر ویلے واپس پہنچ کے اوہناں خبر کی تصدیق کر دیتی۔ گاگو کو پورا آرام تو نہیں آیا تھا پر خیر اچھی طرح چل پھر سکتا تھا۔ وارتا پہنچتے ہی تیاری پکڑنے لگا کہ آج رات ہی چلیں گے اور صبح تک اگر بچھیری ہیری جانگھوں میں نہ آئی تو گاؤں واپس نہیں آوں گا۔

رات ہوئی اور چاروں یار خوب اچھی طرح نہا دھو کر، نیاز دے کر اور جاگیردار سے مل کے کام پر چالو ہو گئے۔ سویرے سے آسمان پر بدل چھائے ہوئے تھے اور اس وقت ٹھنڈی وا چل رہی تھی۔ گازی ہولے ہولے کہہ رئیا تھا۔ "او ربا! کوئی بچھیری ہے، کوئی بچھیری ہے، بس یہ سمجھ لے گاگو کہ خان شمیر کی بہن صاحباں ہے۔ کوئی ایال ہے، بس شاہ پری بال کھولے سوچاں سوچ رئی اے کہ مینڈھیاں کروں کہ نہ کروں!"

بمبو نے کہا "پنڈا ایسا جس طرح جٹی نہا کے پھلکاری لپیٹ لے اور......"

پھلا آکھن لگا "قسم اللہ مولا کی اس بچھیری کے سامنے گھر والی کیا شے ہے۔ وہ تو سچی سرکار نے ایک سنگار کی چیز بنائی ہے بئی ہر کوئی ویکھے۔ جس گھر میں قدم رکھ دے، سونا ہی سونا ہو جائے۔ بڑی بخت آور چیز ہے یہ بچھیری"۔

گاگو نے کہا "لے پھر اس بخت آور چیز کی راس سب سے پہلے تیرے ہاتھ میں دوں گا۔"

پھلے نے کابلا ہو کے اسے دونوں بانہوں میں لے لیا۔ "جیتا رہ میرا ویر! سگا ویر!"

پھر گاگو نے پلٹ کر گازی سے پوچھا "چال کیسی ہے؟"

"چال!" تینوں ایک ساتھ بول اٹھے۔

گازی نے کہا "تجھے بتایا تو تھا، پریوں کے ساتھ ڈانس کرتی ہے، بازوں کے ساتھ شکار

کھیلتی ہے۔ تو اب پھر پوچھ رہا ہے۔"

"پھر ٹھیک ہے،" گاگو نے خوش ہو کر کہا، "ایسا ہی مال چاہئے۔ ڈھیچک مال پر مجھے بڑا گسا آتا ہے۔ ایک تو جلدی ہوتی ہے، تیز طرار جانور مل جائے تو روح طرارے بھرتی ہے۔ پر جو کدی ڈھیچک مال بختاں پھٹا مل جائے تو آدمی نہ زندوں میں نہ مروں میں!"

بمبو نے ذرا مسکرا کر کہا "سچ ہے بیبا، تیرے قدم آری ہیں۔ آگا پیچھا سب صاف ہیں۔ جوانی جو ہوئی!"

گازی، بمبو اور پھلا تو اجڑے سٹیشن کی کوٹھڑی میں لک کر بیٹھ گئے اور گاگو اکیلا معرکے تے گیا۔ بسم اللہ پڑھ کے اور پیر استاد کا نام لے کے اس نے کوٹھے کی اینٹیں اکھاڑنا شروع کیں۔ ایک جوانی کا زمانہ، پھر باپ دادا کا پرانا پیشہ، اینٹیں پکے آموں کی طرح آپی آپ اترا تر کے اس کے ہاتھوں میں آنے لگیں۔ جب آر پار بلی گزرن ہار موکھا ہو گیا تو اس نے اپنی بانہہ لمبی کر کے اندر ادھر ادھر ہاتھ پھیرا۔ بچھیری پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی ایال زمین پر ایسے بکھری ہوئی تھی جیسے روسی مٹیار گھڑے تے سر رکھے بیٹھی ہو۔ اس نے ایک مرتبہ پھر بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ خان شمیر کی بہن کی زلفیں کیا ہوں گی! تھوڑی سی اینٹیں اور اکھاڑ کر جب وہ بکھی کے بل اندر داخل ہوا تو ایال پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے اس کی انگلیاں سات پردوں والے ایک گیند پر جا پڑیں اور اس نے آہستہ سے اپنے آپ سے کہا، "یہ کیا؟"

"بلو نگڑا!" ویسی ہی ہلکی آواز نے جواب دیا اور پھر اس بلا نے گاگو کو دونوں بانہوں میں جکڑ لیا۔ گاگو نے کہنیوں کے سہارے اٹھنے کی کوشش کی تو بلو نگڑے نے کہا، "بیبا یہ بچھیری کوئی کرموں والا ہی لے جائے گا۔ کیا تو کیا تیری سورمتائی!"

اور حالی یہ بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ گاگو نے ایک زور ہور لگایا اور پھر وہیں رہ گیا۔

بلو نگڑے نے کہا، "مکھن کھایا ہے بیبا! مکھن!" یہ بات سن کر گاگو نے زور سے بدن

جو جھٹکا تو بلو نگڑا نیچے آ گیا۔ گاگو نے اس کی دونوں بانہوں کو پکڑ کر زور سے کھینچا تو کتنی ساری چوڑیاں ایک ساتھ ٹوٹ گئیں۔ چوڑیاں ٹوٹنے پر باقاعدہ کشتی شروع ہو گئی۔ دونوں بورے پرالی پر ادھر ادھر اتھل پتھل ہو رہے تھے۔ اس ہاتھا پائی سے گھابر کر پچھیری اندھیری کوٹھڑی کے کونے میں دبک گئی اور تھر تھر کانپنے لگی۔ اچانک بلو نگڑے کے ہاتھ بانہہ بھر لمبا موٹے سرے والا سریا آ گیا۔ اس نے نیچے پڑے پڑے ہاتھ گھما کر گاگو کے سر پر کیل کا موٹا سرا دے مارا۔ خون کی ایک دھار بہہ نکلی اور گاگو کی پکڑ ڈھیلی ہوتے ہوتے بالکل چھوٹ گئی۔

جب اسے ہوش آیا تو اس کے ماتھے پر ایک پٹی کس کے بندھی تھی اور اس کا سر بوسکی کے تھان پر پڑا تھا۔

بلو نگڑے نے چمکار کے آکھیا "اٹھ چناں! نہیں تو کوئی آ جائے گا۔"

گاگو من کر کے بولیا "مجھے پہلے ہی بخار تھا اس پر تو نے ماتھا پھوڑ دیا، باہر نکل کر اکیلا کیسے چلوں گا کسی آسرے کے بغیر"

"میں جو تیرے ساتھ چلتی ہوں۔" اس نے ہولے سے کہا۔ "تو باہر تو نکل"

ہرے ہرے کھیتوں میں چلتے ہوئے جب وہ گاگو سے دو قدم آگے نکل جاتی تو پلٹ کر کہتی "تو آدمی ہے کہ ڈھیچک مال؟ ...... جلدی جلدی قدم اٹھا چناں! راہ کھوٹی ہوتی ہے!"

وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا رہا اور گاڑی، پھلا اور بمبو اجڑے سٹیشن کے ٹوٹے کوٹھے میں اس کا انتظار کرتے رہے۔

ضابطے کی کارروائی

جد موقع تھا اور ضابطے خان کو چھٹی کی ات خدا کی لوڑ تھی، کپتان صاحب صاف انکاری ہو گئے کہ جوانوں کو سکھلائی کے ٹیم ایم ٹی کا کوئی نائیک چھٹی نئیں جا سکتا اور اس ویلے جب ضابطے خاں کو بوٹ پیٹی چمکا کے چھاؤنی کی سڑکوں پر ذرا شو بنا کے گھومنے کا وقت ملا تو صاحب نے اس کو دفتر میں بلا کے آپی بول دیا کہ ہفتہ دس دن بھانویں جتنی چاہو چھٹی مل سکتی ہے۔

ضابطے خاں نے ایڑی جوڑ، پنجے کھول، دونوں مٹھیاں جانگھوں کے ساتھ کس کر کپتان صاحب تے کہنا چاہیا "صاحب اپنے یار متاب ٹیڑی کا بیاہ ہوئے دو مہینے ہو چکے، اب گئے نہ گئے ایک برابر ہے" پر وہ ڈسپلن کے ڈر سے بول نہ سکا اور سلوٹ مار کر بولا:

آپ کی مہربانی صاحب ہم کل سویرے چھٹی رپورٹ بول کر جائے گا اور دو ہفتے بعد آ کر حاضری بول دے گا۔ پھر صاحب واپسی پر ہم کو دوسری کمپنی میں چانس ضروری ملنا چاہئے۔"

کپتان صاحب اس کی گل کا کوئی جواب نہ دیا اور ہتھ کی سینٹ مار کے کمرہ خالی کرنے کا کاشن بولیا اور فائل دیکھنے لگے۔ ضابطے خاں سلوٹ مار کے اڈی تے گھومیا اور دفتر سے باہر نکل گیا۔

کوئی دس بجے کے نیڑے وہ مندرہ سٹیشن تے اتریا۔ بوٹوں پر رومال پھیریا۔ کٹ بیگ کی پٹی کس کے بندھی اور بستی کی طرف ڈبل لگا دی۔ سٹیشن سے اس کا گھر مشکل سے آٹھ میل ہو گا۔ پر اونچے نیچے پینڈے نے ضابطے کو آدھی راہ بعد ہی تھکا دیا اور وہ اکھڑی کھری والی خچر کی طرح قدم قدم چلنے لگا۔ ضابطے خاں سوچیا کتنا اچھا ہو اگر متاب اس کو سوکڑ نالے پر اپنے کھیت میں مونگ پھلی کی سنڈی مارتا مل جائے اور وہ اس کی اکھیاں تے ہاتھ رکھ کے اس کی منگمری پر لات مار کر بنا بولے پوچھے۔ "بھلا کون؟" اور متاب ٹیڑی اس کے نال امر بیل کی طرح لپٹ جائے۔ ضابطے کو یہ سوچ سوچ کر ہنسی آ گئی اور پورا تیقن ہو گیا کہ متاب ضرور کھیت میں ہو گا۔ وجہ یہ کہ اس نے آخری کارڈ میں لکھا تھا کہ وہ سارا دن مونگ پھلی کے بوٹوں پر سنڈی مار دوا چھڑکتا رہتا ہے اور شام کو اس کی دی ہوئی کنڈم نیکر پہن کر اپنی مہاجر گھر والی سے کیڑی کاڑا کھیلتا ہے۔ کیڑی کاڑا اس لئے کھیلتا ہے کہ اس کی بیوی کی عمر ابھی پندرہ برس کی نہیں ہوئی۔ ضابطے نے کٹ بیگ کو اوپر کھینچا اور پھر بھاگنے لگا۔

سوکڑ نالے سے تھوڑی دور پہلے ضابطے نے دیکھا مونگ پھلی کے کیڑے مارے جا رہے تھے اور متاب ماتھا ٹیکنے والوں کی طرح بھوئیں سے لگا بڑے دھیان سے ایک ایک کو ملیا میٹ کر رہا تھا۔ ضابطے خاں سانہہ روک کے بلی کی طرح ہولے ہولے قدم اٹھانے لگا کہ جاتے ہی ٹیڑی کی منگمری پر لات مارے گا پر ابھی وہ نالے میں سے ہو کر دوسرے کنارے پر بھی نہ پہنچا تھا کہ کھیت میں جھکی ہوئی مٹیار اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اک نگاہ مار کے ضابطے کی طرف دیکھا اور آگے ہو کے اپنا گھڑا اٹھانے لگی۔ اتنے میں ضابطے خاں اس کے نیڑے پہنچ گیا۔ لڑکی کے دونوں ہاتھ پانی سے بھرے ہوئے گھڑے میں تھے اور اس کے بھیگے ہوئے چھلے کا کنارہ گھڑے کے ساتھ چمٹ گیا تھا۔ ضابطے نے ماتھے سے پسینہ پونچھ کر کہا۔

"میں اٹھوا دوں؟"

لڑکی نے ہاتھ گھڑے سے باہر نکال لئے اور پرلے کنے منہ کر کے کھڑی ہو گئی۔ اس کی بانہوں میں لال چوڑیاں تھیں، انگلیوں پر مہندی کے چھاپے تھے پر عمر پندرہ برس سے زیادہ تھی۔

ضابطے نے سٹینڈ ٹی ہو کر پوچھا "ادھر کیوں آئی تھی؟"

لڑکی نے سالو متھے تے کھینچ کے جواب دیا "میری مرضی۔"

ضابطے نے کہا "کوئی تیرا کھیت ہے یہ؟"

"ہور کوئی تیرا ہے؟" کڑی تڑ کے بولی

جس تھاں یہ مٹیار تھوڑی دیر پہلے بیٹھی تھی، ضابطے خاں نے اس طرف دیکھ کے کیا "میں تھانے میں پکڑوا دوں گا"

لڑکی نے پرانے واقفوں کی طرح اس کی طرف منہ پھیر کر کہا "تھانہ تو آپ پسینہ پسینہ ہوا پھرتا ہے مجھے کدھر سے پکڑ لے گا"

ضابطے کی کٹ نیچے ڈھلک گئی۔ ٹوپی اتار کے بولیا "بستی میں رہتی ہو؟"

لڑکی نے قہرمان ہو کے آکھیا "ہاں"

"مہاجر ہو؟" ضابطے نے پھر پوچھا

لڑکی نے موٹی موٹی کالی بھنورا اکھیاں کھول کے ضابطے کی طرف غور سے دیکھا اور نائیک پتھر کا سپاہی بن کے رہ گیا۔

ملک سمندر خاں کی گھوڑی کی ٹاپ سن کے لڑکی نے جلدی سے گھڑا اٹھایا اور سر پر رکھ کر پرلی واٹ کو چل پڑی۔ ضابطے خاں نائیک نے ڈٹھا کہ نیلے رنگ کے لمبے ریشمی کرتے میں لمبا سا ملتانی مرتبان ہو اور اس پر پانی سے بھرا ہوا ایک گھڑا جادو کے زور تے چلے جا رہے ہوں۔

ملک سمندر خاں نے دور سے ضابطے خاں کا نام لے کر ایک نعرہ مارا اور گھوڑی کو ایڑ لگا کر اس کے نیڑے پہنچ گیا۔ ضابطے خاں نے بے اختیار گھوڑی کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور اس کے پسینے سے بھیگی ہوئی گردن پر منہ رکھ دیا۔ سمندر خاں نے پیار سے ضابطے کا سر تھپکایا اور شکایت کرتے ہوئے کہا "شاباش تیرے مرد ہو تو ایسا ہو جو اپنے یار کی شادی پر بھی نہ آئے۔"

ضابطے نے کچھے ہو کے کیا "چاچا چھٹی ہی نہ مل سکی میں کیا کرتا؟"

ملک نے اس کی کٹ پر ہاتھ مار کر کہا "جو نیت سو مراد ضابطے خاں، تو دل سے چاہتا تو سب کچھ ہو جاتا، پر خیر۔"

ضابطے نے بات بدلنے کی خاطر ملک کے دونوں کندھے پکڑ لئے اور بڑے پیار سے پوچھا "بستی میں سب راضی خوشی ہیں چاچا؟ متاب تکڑا ہے؟"

ملک نے دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا "سب خیر خیریت۔ اللہ کا فضل پر متاب جہلم گیا ہے۔ کوئی چرائی بھرائی کا کام ہے۔"

"کب تک آئے گا؟" ضابطے خاں نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"جمعہ کو کہہ گیا تھا۔" ملک نے کہا "پر پتہ نہیں"

"جمعہ تو پرسوں ہے۔" ضابطے خاں نے کہا۔ "صبح آئے گا یا شام؟"

"شام کو کہہ گیا تھا۔" ملک شک ظاہر کر کے بولا "پر پتہ کچھ نہیں۔ میں آج رات مندرے رہوں گا۔ کل پنڈی تاریخ پر جانا ہے۔"

"اللہ حافظ چاچا" اور سپاہی سر جھکا کر بستی کی طرف چل پڑا۔

چاچے چاچی کو پہلے ہی شکایت تھی کہ ضابطا جب سے افسر ہوا ہے سیدھے منہ گل ہی نہیں کرتا۔ اب کی بار گاؤں والوں کو بھی شک پڑ گیا کہ ضابطے خاں میں بڑا ہنکار آ گیا ہے۔ اول تو کسی سے بولتا نہیں اور جو بولتا ہے تو بس اوپرے جی سے گل بات کرتا ہے۔

اچھا بھلا ایم ٹی کا جوان، کپتان صاحب کا پیارا، رنگیلا سجیلا ضابطا بھگیکے کرتے والی لڑکی سے مار کھا گیا۔ سویرے تڑکے گھر سے نکل کر سوکڑ نالے کی راہ پر جا بیٹھتا کہ شاید درشن ہو جائیں مگر توبہ جی۔ اک باری درشن دے کر پہاڑ پر چڑھ جاتی ہیں۔ درشن کرنے جاؤ تو اونچی ماڑیوں میں بیٹھ کر باریاں بھیڑ لیتی ہیں۔ ضابطے خاں کا جی بیزار ہو گیا اور اس نے سوچا کہ آج ہی چھٹی کٹوا کر واپس پلٹن میں پہنچ جائے۔ چاچی چاچا اٹھتے بیٹھتے مہنے مارتے تھے۔ بستی والے الگ طعنے دیتے تھے۔ پر ضابطے خاں کے دل میں اک ہور دھڑکا لگا ہوا تھا جسے وہ اپنے آپ پر ظاہر کرنے سے پتے کی طرح کانپتا تھا۔

جمعہ کی شام جب وہ سوکڑ نالے کے کنارے ایک ڈھیری پر بیٹھا ہوا تھا، اسے دور سے

متاب آتا ہوا دسیا۔ ضابطے خاں نے چاہا کہ ساتھ کے کھیت میں کموفلاج لے کر چھپ جائے اور جب متاب پاس سے گزر جائے تو سیدھا سٹیشن کی طرف ڈبل لگا جائے پر اس سے ایسے ہو نہ سکا اور متاب ٹیڑی کیکڑے کی طرح اونچی نیچی زمین تے کدکڑے مارتا آ کر امر بیل کی طرح ضابطے کے ساتھ لپٹ گیا اور اس کی منگمری پر لات مار کر بولا "خنزیر مجھے کارڈ کیوں نہ ڈالا کہ آ رہا ہے"

ضابطے نے ہنس کر کہا "یار چھٹی کا کوئی بھروسہ ہی نہیں تھا۔ صاحب نے ایک دم آڈر یوں دیا میں خط کس ٹیم لکھتا۔"

متاب نے پوچھا "اپنی بھابی سے ملے ہو؟"

ضابطے خاں سہم گیا اور گلا صاف کر کے بولا "تیرے بغیر کیسے مل لیتا! تو آتا تو اس کے ساتھ ٹھٹھا مسخری کا کوئی پروگرام بناتے۔"

متاب نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زور سے کھینچتے ہوئے کہا "چل پھر ابھی چل۔"

ضابطے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "پہلے میری ایک بات سن لے۔"

"بول!" متاب رک گیا۔

"میری مدد کرے گا؟" ضابطے خاں نے پوچھا۔

متاب نے اس کے سر پر سوکھے سے ہاتھ کا دھپا مار کر کہا "کچھ پھوٹ تو سہی"۔

ضابطے نے کہا "پرسوں جب میں دس کی گاڑی سے یہاں اترا ہوں تو میرا خیال تھا تو کھیت میں مونگ پھلی کے کیڑے مار رہا ہو گا۔"

متاب نے کہا "میں تو جہلم گیا ہوا تھا۔"

ضابطے خاں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "تو سن سہی، میں اس سوکڑ نالے میں سے ہو کر کنارے پر پہنچا ہی تھا کہ تیرے کھیت میں وہاں بیٹھی ہوئی ایک مٹیار مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اللہ جانے کیا کر رہی تھی۔"

متاب نے اس کے کندھے سے ہاتھ اٹھا لیا۔

"پانی بھر کر لائی تھی۔" ضابطے نے پھر کہنا شروع کیا "میں نے پوچھا ادھر کیوں آئی ہو؟ منہ پکا کر کے کہنے لگی میری مرضی!"

متاب نے بے تاب ہو کر پوچھا "کپڑے کیسے تھے؟"

"درمیانے قد کی تھی۔" ضابطے نے جواب دیا "کوئی پندرہ سولہ برس کی عمر ہوگی۔"

"میں پوچھتا ہوں وستر کیسے تھے؟" متاب ذرا تتا ہو گیا۔

"نیلا ریشمی کرتہ تھا اور سر پر مونگیا دوپٹہ۔"

"بانہوں میں لال چوڑیاں بھی تھیں؟" متاب نے پوچھا۔

"ہاں لال چوڑیاں اور ہاتھوں میں مہندی کا پھیکا پھیکا رنگ۔"

"تو نے کیا کیا؟" متاب نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

"مجھ سے تو بولا ہی نہ گیا یار۔ حوصلہ کر کے اتنا کہا تیرا کوئی کھیت ہے یہ؟ چھنک کر بولی اور کوئی تیرا ہے؟"

متاب چپ ہو گیا اور ضابطے کو کوئی جواب دیئے بنا ہولے ہولے بستی کی طرف چلنے لگا۔ ضابطے خاں کے دل کا دھڑکا کالا سیاہ اندھیرا بن کر چاروں طرف پھیل گیا۔ اسی اندھیرے میں وہ لڑکھڑا کر آگے کو ہوا اور متاب کے پیچھے جا کر اس کے کندھے پکڑ لئے۔

متاب نے ایک جھرجھری لے کر مونڈھوں سے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ ضابطے خاں کھڑے کا کھڑا رہ گیا تو متاب نے پیچھے مڑ کر کہا "یار کی یاری پر اعتبار ہے تو چپ چاپ آ جا۔"

اس کے بعد نہ متاب بولا، نہ ضابطے خاں نے کوئی بات کی اور وہ دوسرے کے آگے پیچھے چلتے رہے۔

گھر پہنچ کر متاب نے یار کو صحن میں کھڑا کر دیا اور خود اندر کوٹھڑی میں چلا گیا۔ ضابطے خاں نے چاہا کہ اب ناٹھ جائے اور پھر کبھی بھی واپس نہ آئے مگر پتھر کے سپاہی سے ہلا تک نہ

گیا۔ متاب اپنی گھر والی کو ساتھ لے کر باہر نکلا، تو ضابطے خاں کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ بڑی ہمت کر کے اس نے پانچ کا نوٹ جیب سے نکالا اور متاب کی طرف بڑھا دیا۔ متاب نے غصے سے کہا "میری طرف کیا کر رہا ہے، اسے دے اپنی کچھ لگتی کو!"

اور اپنی گھر والی کا گھونگٹ پیچھے کھینچ کر بولا "سلام کر سور نئے گٹھڑی کیوں بنی جاتی ہے۔"

ضابطے خاں نے متاب کی بیوی کی طرف دیکھا اور چیخ کر امربیل کی طرح متاب سے لپٹ گیا۔ یہ متاب کے کھیت والی لڑکی نہیں تھی۔

شکر اللہ تیرا! گھپ ہنیرا دور ہو گیا اور سارے میں چاندنا ہی چاندنا ہو گیا۔

رشوت

سورج ڈوبنے سے تھوڑی دیر پہلے برات ڈولی لے کے اپنے گاؤں کو چل پڑی اور پستولوں، بندوقوں کے پٹاکے سن کے لیانے اپنے اپنے گھر نٹھ گئے۔ شدین گھوڑی پر اچا ہو ہو کے سہرے کی لڑیاں ہٹاتا پیچھے تھوکتا جا رہا تھا اور اس کے پیچھے گاؤں کے چودھریوں کی ڈاچیاں اور گھوڑے قدم قدم چلے آتے تھے۔

جہیز میں ملنے والی ڈاچی پر کجاوا رکھا تھا جس میں نئی اور اس کی نائین اوہلا کر کے بیٹھی تھیں اور ڈاچی کی لال ریشمی مہار کرموں جھیور کے ہاتھ میں تھی جس نے موتیا پاٹ سے بھری پھلکاری دوہری کر کے باندھی ہوئی تھی اور نئی جوتیاں ڈب میں اڑس کر ہنس ہنس کے اپنے ساتھیوں کو آنکھیں مار رہا تھا۔

بھرائی کے ڈھول میں ڈاچی کی جھانجھروں کی آواز مل کر دور دور تک مار کرتی، الغوزے کوکتے، چمٹا بجتا اور پیدل چلنے والوں کے گروہ "بسم اللہ تیری جگنی" کی ہریں سدیں مارتے چلے آتے۔ شدین کا چاچا تھوڑی تھوڑی دیر بعد دو نالی کا منہ آسمان کی طرف کر کے فیر کرتا۔ گھوڑے تپکتے، ہنہناتے اور پھر قدم قدم چلنے لگتے۔ ڈھول تے زور کا ڈنکا پڑتا اور جگنی والے اپنے بول اپر اٹھا دیتے۔

شدین، جاگیردار کا چھڑا بیٹا ہی نہ تھا، مڈل پاس پتر بھی تھا۔ جدتے شدین کو جوانی چڑھی تھی اس نے بستی کی ہر مٹیار سے یاری لگائی تھی اور مہینے دو مہینے گزار کے ہر ایک سے یہ کہہ کر

توڑ دی تھی کہ " آج سے پچھے میرے تے گل نہ کریا کر نہیں تو میرے سے برا کوئی نہ ہو گا۔" جاگیردار کے بیٹے کی یہ سناونی سن کے کسی کو اسکے بلانے کی ہمت ہی نہ ہوتی۔

ایک باری کپاس کے کھیت میں جب اس نے شاداں کو چھیڑا تو وہ متھے تے بٹ پا کر آکھن لگی .... "نا بابا! تیرا کیا بھروسہ۔ آج سیج تکا کے خوش کرتا ہے، کل کھائی میں دھکا دے دیتا ہے۔ تمہاری یاری کا کیا اعتبار .... اللہ کرے میری تیری کدی نہ لگے"۔

پر شاداں بھولی مٹیار تھی، شدین کی وارتا میں آگئی اور وہ ہر روز نیائیں میں ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ گومی کو جوان ہوتے دیکھ کر شدین کا دل شاداں سے پھرنے لگا اور وہ شاداں تے توڑنے ہی والا تھا کہ شاداں کا بیاہ ہو گیا اور اس کا گھر والا اسے ساہیوال لے گیا۔ مہینے کے بعد جب اس کی واپسی ہوئی تو شدین نے شاداں کو نگہ اچاکے بھی نہ ڈٹھا۔ پر اک شام نماشاں ویلے جد شاداں بیلے میں جنڈ کے پتے اکٹھے کرتے ہوئے شدین کو ملی تو شدین نے گھوڑے تے اتر کر اینویں رسماً بانی شروع کر دیئی اور ان کی باتیں اتنی لمبی ہو گئیں کہ بیلے کے سارے رکھ ہنھیرے میں غیب ہو گئے۔ اس دن شدین کو پتہ لگا کہ نار تو بیاہ کرانے کے بعد رسیلی ہوتی ہے، بیاہ سے پہلے تو نری پتیل کی گڑوی سی ہوتی ہے۔

گومی کی جوانی سیت کی چانی رات بن کر رہ گئی اور شاداں کے واپس اپنے ساہورے چلے جانے پر شدین نے گاؤں کی ہر بھابی، چاچی اور ماسی سے باتیں کرنی شروع کر دیں اور ان سے اتنا نیڑے ہو گیا کہ اس نے ساڑی گڑویوں سے منہ موڑ لیا۔

بھابیوں اور ماسیوں کی فرمائشیں مٹیاروں سے دس گناہ زیادہ ہوا کرتی تھیں اور ان کے گھر والوں کو خوش رکھنے کے لئے بھی شدین کو بہت سا روپیہ لٹانا پڑتا۔ جاگیردار نے جد برخوردار کو گھر پر اس طرح دھاڑے مارتے دیکھا تو اس کی شادی کر دی اور آج اس کی برات ڈولی لے کر گھر آ رہی تھی۔

گاؤں پہنچ کر شدین کے تینوں یاروں نے اسے ایک طرف لے جا کر کہا ....

"بھابی کے ساتھ تو اب جنم مرن کا ساتھ ہو گیا، پر ہمارے جیسے سجن روز روز ہاتھ نہیں آئیں گے۔ چل نہر پر آخری بار ہمارے نال بھی شغل میلہ ہو جائے"۔

شدین نے گھینے کے سر پر دھپا مار کر آکھیا " آخری بار کیوں اوئے، یاروں نے بیاہ کیا ہے لام کا ٹھیکہ تو نہیں لے لیا................"۔

ادو بولا "توبہ توبہ جاگیردار .... شگن لگن کے دن کفر تولتے ہو۔ لام کا نام لیتے ہو۔ جیبھ گندی ہو تو منہ نہیں کھولنا چاہئے۔ ٹوھنا ٹھارنا کر کے سواری کو پچکارنا چاہئے ...." پھر اس نے گھینے سے کہا .... "دے یار دہانا جاگیردار کے منہ میں نہیں تو مار کھائے گا میرے تے"۔

چدی نے کہا "ڈھاٹی باندھو ڈھاٹی۔ دہانہ لے کر تو یہ الف ہو جائے گا۔"

شدین ہنس کے آکھیا "خنزیرو کتنی دیر تک مجھے اپنے ساتھ رکھو گے۔ ادھر وہ میرا انتظار کرتی رہے گی، ادھر تم میری جان نہیں چھوڑو گے"۔

گھینا ہنس پڑا اور چدی کو آنکھ مار کر بولا "کل کی بھوتنی مسانوں میں ڈیرا۔ حلیہ دیکھا نہیں بھرجائی کا اور عشق ہیر جٹی والا چالو کر دیا۔ شاباش تیرے جاگیردار شاباش"۔

ادو نے کہا "بھوریوں والے تجھے کیا پتا بڑے سرداروں کی باتوں میں نہیں بولتے۔ شدین بادشاہ کا کی بھروسا، اس نے تھاں تھاں کا پانی پیا ہے۔ کیا پتہ حلئے کے ساتھ سب کچھ دیکھ لیا ہو!"

شدین نے تڑکر کہا "قسم قرآن کی میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ بڑے بزرگوں نے راس رچائی ہے۔ میں تو بولا بھی نہیں۔ اب میں اس کا اور وہ میری۔ میرا انتظار نہ کرے گی تو اپنے بابل کا کرے گی"۔

چدی نے کہا "خیر جاگیردار تیری خوشی ہے۔ چاہے جو جی میں آئے سمجھ۔ پر بھابی تیری انتظاری میں نہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بھابی سوئے گی اور تو بھی نائین جاگے گی"۔

شدین نے حیران ہو کر پوچھا "وہ کیوں؟"

ادو نے کہا "لالچ جو ہوا۔ پانچ دس دینے ہی پڑیں گے تجھے!"

"پانچ دس!" شدین نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ہاں ہاں" گھینا بولا۔ "سیانوں نے کہا ہے کہ عقل مند دھوبی بے عقلا کسائی اور صبر مند کتا بے صبرا نائی۔۔۔ لالا نائیوں کو پیسے کا بڑا لالچ ہوتا ہے اور بیاہ شادی دن تہوار پر تو کپڑے اتار لیتے ہیں"۔

شدین نے کہا "یارو کھل کر بات کرو"۔

"سن"۔۔۔ ۔۔۔ چدی نے آرام سے کہنا شروع کیا "ڈولی میں ویاہی کے نال اس کی نائین آتی ہے اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

شدین نے کہا "یہ کون نہیں جانتا"۔

گھینے نے کہا "بے صبرا آگے بھی تو سن"۔

"**ہاں جی**" چدی پھر کہنے لگا۔۔۔۔۔۔۔۔ "سہاگ کی رات کو جہاں لڑکی سوتی ہے، اس کے آس پاس نائین بھی سوتی ہے اور سہروں والے کو ویاہی سے بات کرنے نہیں دیتی"۔

"پھر؟" **شدین** نے پوچھا۔

"پھر کیا" **اروے** نے کہا "دس پانچ اس کے ہاتھ پر رکھو۔۔۔۔۔۔۔۔ سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ سردار سوہنیا پانچ لے کر تو منصف خون معاف کر دیتا ہے۔ یہ تو نہ کوئی جرم ہے نہ تقصیر۔"

گھینے نے کہا "در لعنت، کس وقت منصف کالے منہ والے کا نام لیا۔۔۔۔۔۔۔۔ دفع کر سالے کو اور بوتل نکال"۔ بوتل نکالی گئی اور چاروں دوست باری باری دیسی کے گھونٹ حلق میں اتارتے رہے۔ بوتل ختم ہونے سے تھوڑی دیر پہلے چدی نے کان پر ہاتھ رکھ کے ڈھولا گانا شروع کر دیا۔ شدین نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا کر کہا "لو سجنو! بہت رات ہو گئی۔ میں تو چلیا۔"

گھینا بولا "تو چلیا تو ہم یہاں کونسی جوار بیجنے آئے ہیں۔ ہم بھی چلے"۔

اور چاروں یار تہمد جھاڑ کر گاؤں کو چل پڑے۔

گھر آ کر شدین نے دیکھا کہ بہت سارے مہمان سو گئے ہیں اور جو ابھی تک سوئے

نہیں وہ سونے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ڈنگروں والے احاطے میں عورتیں گیت گا رہی تھیں اور ڈھولک بج رہی تھی۔

شدین نے چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی اپنی بہن سے پوچھا۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔ "تیری بھابی کہاں ہے؟" تو اس نے چمٹے سے چکی والی کوٹھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ادھر چلا گیا۔ برآمدے کے چوتھے حصے میں کاندھ اٹھا کے بوریاں رکھنے کے لئے ایک کوٹھی بنائی ہوئی تھی اور اس کے آگے چکی والی کوٹھڑی تھی۔ کوٹھڑی میں ایک چارپائی پر بنّی کی نائین سو رہی تھی اور اس کے ساتھ اس کا بچہ چمٹا ہوا تھا۔ شدین کا گھٹنا چارپائی سے ٹکرایا تو نائین اٹھ کر بیٹھ گئی اور صدقے جاؤں واری جاؤں کہہ کر اپنی چادر ٹھیک کرنے لگی۔ شدین رکا اور تھوڑی دیر تک اس کی چارپائی کے پاس کھڑا رہا کہ شاید بنا رشوت کے خلاصی ہو جائے مگر وہ اسی طرح دعائیں دیتی رہی۔ آہستہ آہستہ اسے نائین کا حلیہ نظر آنے لگا اور وہ چارپائی کی پٹی پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

نائین نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔ "نہ نہ موتیوں والے سردار، سہروں والے بنّے، یہاں بھوئیں تے نہ بیٹھ۔ ہمیں خیرات دے اور اندر جا"۔

شدین نے اپنی ریشمی قمیض کی جیب سے دس کا نوٹ نکال کر نائین کے ہاتھ میں تھما دیا۔ نوٹ دیکھ کر وہ خوش ہو گئی اور مسکرا کر بولی "بنّی اس کوٹھڑی میں ہے"۔ لیکن شدین اٹھا نہ اس کی بات کا جواب دیا۔ جب اس نے دوبارہ کہا کہ بنّی اس کوٹھڑی میں سو رہی ہے، تو شدین نے نائین کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"اسے سونے دو۔ دفع کرو"

داوٗ

تائی کس دیس کی رہنے والی تھی، کدھر سے آئی تھی اور اس کا نام کیا تھا اس کے بارے میں گاؤں کا کوئی آدمی کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا اس کو تائی کہہ کر بلاتا اور تائی کہہ کے ہی ہاک مارتا اور چوکیدار کی کتاب میں بھی اس کا نام تائی بنت نگینہ درج تھا۔

مسجد کے نال کچے کوٹھے میں وہ سوئی دھاگہ لے کر سارا دن کرتے سیا کرتی۔ شام کو شہر سے محمد دین درزی سائیکل پر سوار آتا، کرتے لے جاتا اور چھ آنے دے جاتا۔ خیراں نائین کے گھر سے دونوں وقت تائی کو دو آنے کی روٹی پہنچ جاتی اور باقی کے چار آنے وہ اللہ کی راہ میں خیرات کر دیتی۔

پہلے پہل تو وہ مسجد میں تیل ڈالتی رہی، لڑکے لڑکیوں کو کھیل بتاشے لے کر دیتی رہی اور اڑے تھڑے وقت پر عورت کی مدد کرتی رہی۔ پر جب سے موچیوں کا لڑکا عبدو مدرسے بیٹھا تھا، تائی چار آنوں کا زیادہ حصہ عبدو کے باپ کو لڑکے کی قلم دوات اور تختی کھڑیا کے لئے دینے لگی۔

وہ عورتیں جو تائی سے کبھی کبھار چند ٹکے ٹھگ لیا کرتی تھیں، موچیوں کے ٹبر سے خار کھانے لگی تھیں اور ان کو عبدو زہر لگنے لگا تھا۔ پھاتاں بھرائین اکثر تائی سے کہتی ـــــ

"لے تائی یہ بھی کوئی دان پن کی جگہ ہے۔ عبدو کا چاچا مرے ڈھور کی چمڑی سے سونا بناتا ہے، تیرے پیسوں سے کوئی موٹا ہو جائے گا۔ پر دنیا لوبھی ہے نا، ہر کوئی یہی چاہتا ہے کہ جو

آ جائے سو اچھا"۔

تائی ہنس کر کہتی "تیرے گھر والا بھی تو مرے ڈھور کا چمڑا بجا کر سونا بناتا ہے ......
دھیئے! تو آنے دونی سے کون سی شاہ ہو جائے گی۔ عبدو بال ہے۔ اسے پڑھنے کا چاؤ ہے۔ پیسہ دو پیسے لے کر اس کی روح راضی ہو جاتی ہے، میرا جی خوش ہوتا ہے"۔

پھاتاں اٹھ کر پلو جھٹکتی اور کہتی "لے تائی پھر تیری دونیوں سے تو وہ حاکم نہیں بنتا انشاءاللہ"

اور تائی ہولے سے کہتی "عبدو حاکم نہ بنے نہ سہی، کالی کملی والے کے دربار کی میں تو گولی بن جاؤں گی۔"

کسی کسی دن ملا اسماعیل بھی داڑھی کو مہندی لگا کر اور دھوئے کھدر کی پگڑی باندھ کر تائی کے پاس آتا اور کہتا "تائی شہر چلا ہوں۔ مسجد میں نہ لوٹا ہے نہ مسواک۔ آج چونی اللہ کے گھر کے لئے بھی نکال دے۔ تو تو مسجد کو بھول ہی گئی ہے"۔

تائی دوپٹے کی گرہ کھولتے ہوئے کہتی "صدقے صدقے جاؤں اللہ رسول کے گھر پر۔ چونی کیا اس گھر پر تو میری جان بھی قربان۔ میں دوزخ دنیی بے نصیبی! اور اللہ رسول کے گھر کی اونچی شان۔ مولا تیرے صدقے میری قسمت! میری قسمت!!"

اور ملا چونی لے کر چلا جاتا۔

لالو، سکندر اور پھجی کے کھیت ساتھ ساتھ تھے۔ تینوں یار دن بھر باجرے کے کھیت سے چڑیاں اڑایا کرتے اور ایک دوسرے کو بولیاں سنایا کرتے۔

سکندر نے کہا "یار ٹپے گا گا کر تو گلا ادھوڑی کا کھونسڑا بن گیا ہے۔ کوئی کھیل کھیلو"۔

پھجی بولا "شاباش بچو! اوت پنیتی جو صلاح دے گا، گھر گھاٹے والی دے گا۔ ادھر کھیل کھیلو، ادھر چڑیاں باجرے کو پلیتہ لگا دیں۔ دانہ ختم سوکھے ڈنڈے حاضر۔"

سکندر نے کہا "لے او لالو یہ بھی کہے گا میں گھگھو لوں گا۔ کنجر کی کھوپڑی میں پہاڑ چڑھنے والا گیدڑ کارروائی کر گیا ہے"۔

لالو نے ہنس کر کہا "یہ بیچارا بھی کیا کرے۔ تو جانتا ہے اس کا باپ بڑا سور ہے۔ چڑیاں ایک دانہ چگ گئیں تو کانوں میں سر کر دے گا۔ پھر بتا تیری ماں کو ماسی آکھے گا؟"

سکندر نے کہا۔ "اچھا بچو یاروں کے ساتھ بھی مسخری کرتے ہو۔ میں کبڈی کشتی کی بات نہیں کرتا۔ بیری بیٹھ بیٹھ کر کھیلنے والی کھیل کی کہتا ہوں۔"

"تو پھر "باراں بٹی" کھیلو" پھجی نے خوش ہو کر کہا۔

"باراں بٹی بھی کوئی کھیل ہے" سکندر بولا۔

لالو نے پوچھا "اوئے تاش کے ارادے تو نہیں یاروں کے؟"

اور سکندر بولا "صدقے سجنا من کی بات بوجھ لی۔"

اب مشکل یہ تھی کہ تاش کہاں سے لی جائے۔ سارے گاؤں میں نمبردار کے گھر ایک تاش تھی۔ وہ کسی کو دیتا نہیں تھا۔ نئی خریدنے کے لئے ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ سوچ سوچ کر ان کی نظر تائی پر پڑی اور سکندر اور لالو مسکین شکلیں بنا کر تائی کے گھر جا پڑے۔
انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا ... "تائی سارا دن کھیت پر گزارتے ہیں اور نماز پڑھنے کے لئے نہ مصلیٰ نہ لوٹا۔ چاچے سے کہتے ہیں لے دو تو الٹا کہتا ہے کہ نماز پڑھو گے کہ چڑیاں اڑاؤ گے۔ آج تیرے ...."

تائی نے سوئی روک کر کہا ... "توبہ توبہ بے نماز کتے آپ تو اللہ کا نام لیتے نہیں۔ دوسروں کو بھی روکتے ہیں، توبہ توبہ۔"

اور تائی نے ساڑھے پانچ آنے نکال کر انہیں دے دیئے۔

کماں جواری، ٹھیکیدار کے آوے پر اینٹیں پکاتا تھا اور وہیں اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ رہتا تھا۔ لڑکا جب سے پیدا ہوا تھا اس نے عید، شب برات پر بھی کرتا نہ دیکھا اور خود کماں بھی اپنی زندگی کے چالیس برس لنگوٹی میں بسر کر گیا تھا۔ مہینے کے مہینے جو کچھ ملتا، جوئے میں ہار دیتا۔ اس کے بعد گڑوا پرات گروی رکھ کے جی بہلاتا اور جب وہ بھی ہار جاتا تو منجی بھی رمضے کسائی کے پاس رکھ آتا۔ قسمت سے داؤ سیدھا پڑتا تو چیزیں واپس آ جاتیں، نہیں تو

مہینہ بھر زمین پر سونا پڑتا اور تغاری میں آٹا گوندھنا پڑتا۔

کسی دن جب جواریوں کی چار یاری وقت مقرر کر کے اسے "گھتی یا" کھیلنے پر مجبور کرتی تو وہ جی کڑا کر کے اپنے ننگے بچے کو کندھے پر بٹھا کے تائی کے پاس پہنچتا اور اسی طرح سواری بنا بنا کہتا "تائی روز اللہ کی راہ میں دیتی ہو، ایک دن شیطان کی راہ میں بھی خیرات کر دو"۔

اور تائی خفا ہو کر کہتی "توبہ استغفار کر کمیاں استغفار! تیرے ہاتھ روز قیامت کو گواہی دیں گے کہ کماں ہمیں جوا کھلاتا تھا۔ تیرا رواں رواں تیرے برخلاف شہادت دے گا پھر کس کو مدد کے لئے بلائے گا؟"

کماں کہتا۔ "تائی مدد کے لئے نہ آج کسی کو بلاتا ہوں نہ اس دن بلاؤں گا۔ دھرتی پر ٹھیکیدار کی اینٹیں پکا پکا کر لوہا لاکھا ہو گیا۔ آسمان پر فرشتے جس بھٹی پر لگا دیں گے لگ جاؤں گا۔ یاروں کا کیا ہے ......" تائی بات کاٹتی "نہ نہ ایسے کفر نہ تول کمیاں۔ کوڑا سودا نہ کر، سچا بنج کر سچا۔ پیسے ٹکے کا جوا نہ کھیل، جی جان کی بازی لگا شیرا، جی جان کی۔"

کماں کہتا "میں تیری طرح کملا نہیں تائی، بھلا روز چار آنے گنوا کر تجھے کیا ملتا ہے؟"

"گنوا کر!" تائی حیران ہو کر کہتی "یہ گنوانا ہے بے عقلا؟ یہ تو میرا محل بنا رہے ہیں۔ اونچی ماڑی تیار کر رہے ہیں، ایسی ماڑی ......"

"محل!" کماں بچے کو کندھے سے اتار کے پوچھتا "کس دیس میں تائی، کس ملک میں؟"

اور تائی آسمان کی طرف سوئی اٹھا کر کہتی "اس دیس میں، اللہ مولا کی بادشاہی میں"۔

کماں دانت نکال کر کہتا "اچھا تائی اس محل میں ایک کوٹھڑی کماں کے بال بچوں کو بھی دے دینا"۔

اور تائی آرام سے کہتی "اس دیس میں کوئی مالک نہیں، کوئی مختار نہیں۔ اس سرکار میں

بس نیک کرم ہی مالک ہیں اور بھلے کام ہی مختار ہیں"۔

کماں ذرا بے چین ہو کر کہتا "تائی آج تو چونی دے دے، کل سے میں بھی اونچی ماڑی کی نیو رکھ دوں گا"۔

"آج کیوں نہیں بھلا؟" تائی پوچھتی۔

اور کماں اپنے لڑکے کو گود میں بٹھا کر کہتا "آج دن اچھا نہیں تائی۔ سویرے سویرے ایک چڑی میری گھر والی کے سر پر بیٹھ گئی تھی"۔

تائی کہتی "چڑی بیٹھے چاہے کبوتر۔ کمیاں جو دم گزر گیا پھر نہیں آیا.... آنے ٹکے کے داؤ چھوڑ کر بڑا داؤ لگا بڑا"۔

اور کماں مایوس ہو کر کہتا "آنہ تو ملتا نہیں بڑا داؤ کدھر لگاؤں؟"

تائی ہولے سے کہنے لگتی "جی جان کا داؤ بڑی سرکار سے لگا۔ سچی سرکار سے کھیل"۔

کماں اٹھتے ہوئے کہتا.... "لے تائی! میری جھولی ہر بار تیرے سامنے خالی آئی خالی گئی۔ تیرے برکت والے پیسوں سے ایک داؤ لگ جاتا تو وارے نیارے ہو جاتے پر خیر صبر شکر"۔

اور گلی میں چلتے ہوئے وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتا۔ "بڑا داؤ لگا کمیاں بڑا داؤ۔ آنے ٹکے کا داؤ بھی کوئی داؤ ہے"۔ اور پھر وہ ہولے سے اپنے آپ کو سمجھاتا۔ "اچھا خیر اگلے مہینے کی ساری تنخواہ اور منجی پرات ایک دم رحمے کسائی کے پاس رکھ دوں گا۔ پھر لگا دوں گا بڑا داؤ..... شاباش میرے! بڑا داؤ"۔

مہینے آتے رہے اور جاتے رہے پر کماں بڑا داؤ نہ لگا سکا۔ تنخواہ کے کچھ روپے گروی چیزیں چھڑانے میں لگ جاتے، ایک دو کا آٹا آ جاتا اور باقی "گھتی یا" میں برابر ہو جاتے۔ گاؤں میں کماں جد بھی تائی کے دروازے پر اسے سلام کرنے آتا تو تائی یہی کہتی "لگا دے شیرا سب کچھ لگا دے ایک دن سب کچھ لگا دے"۔ اور کماں منہ ہی منہ میں تائی کی یہ بات دہراتا آگے نکل جاتا۔

ایک بار جب اس کو تنخواہ ملی تو اتفاق سے اس کی کوئی چیز بھی گروی نہ تھی۔ اس نے روپے ڈب میں رکھ لئے اور گھر سے پرات سر پر رکھ کر منجی کو اوپر ڈالا اور گڑوا ہاتھ میں پکڑ کر چل نکلا۔ بھینڈی مراثی اسے رحمے کسائی کی دکان پر ہی مل گیا اور کماں اسے ایک طرف لے جا کر آکھن لگا "لے پھر آج کالو جھڑوس کو لے کر شام کے وقت آجا۔ یہ دیکھ اٹھارہ ہیں پورے۔ اور اس بہن کے یار کو بھی کہہ دینا کہ کماں کہتا تھا اٹھارہ ہیں اٹھارہ..... " پھر اس نے بھینڈی کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا "تو بھی آجا ماں بیچ کے!"

جب کماں تائی کو سلام کرنے اور اس کو بڑے داؤ کی بات بتانے اس کے کوٹھے کی طرف گیا تو گاؤں کے بہت سے آدمی اور عورتیں تائی کے دروازے پر جمع تھے اور ان میں کماں کی گھر والی بھی تھی۔

ملا کہہ رہا تھا "سبحان اللہ کیا بہشتی بی بی ہے.... نماز پڑھتے پڑھتے بڑے دربار میں جا پہنچی .... سبحان اللہ۔"

عبدو کے باپ نے نمبردار کی طرف دیکھ کر کہا "..........چودھری دی کفن .... کفن تو ...."

اور ملا نے ٹوک کر کہا "توبہ توبہ ایسی بی بی کو کفن کی کیا ضرورت .... سبحان اللہ! سبحان اللہ!! بہشتوں کی حور کو دنیا کے کپڑے سے کیا مطلب۔"

بھرائین بولی "کھدر کے کفن پر بھی پندرہ بیس لگ جائیں گے"۔

عبدو کا باپ خفا ہو کر بولا "بہن..........ملا جی کی بات سنی نہیں، بہشتی حور کو کفن کی کیا ضرورت .... اللہ کے پیارے سجدے میں .... سبحان اللہ! واہ واہ سبحان اللہ!!"

کماں، تائی کو اس طرح لیٹے دیکھ کر کبڑا سا ہو گیا اور ہاتھ ہلا کر بولا.......... "نہ نہ ایسا کام نہ کرنا یہ تو اپنی تائی تھی .... سارے گاؤں کی تائی.........."

عبدو کے باپ اور چودھری نے سرخ سرخ آنکھوں سے اسے تاڑا اور ملا نے جھڑک کر کہا .... "بے عقلا! خموش ہو جا۔" مگر کماں اسی طرح ہاتھ ہلاتا رہا.......... "نہ نہ ملا جی، یہ تو اپنی تائی تھی.......... " پھر اس نے اپنی گھر والی سے کہا.......... "تو یہاں ٹھہر میں شہر سے منٹوں میں کفن لاتا ہوں ...."

اور بھیڑ چھوڑ کر کماں یوں بھاگا جیسے اسے دو مہینے کی اکٹھی تنخواہ دینے کے لئے آواز پڑی ہو۔

ننگ ناموس

گاؤں کا ہر آدمی جانتا تھا کہ دارے لوہار کی گھر والی دھاموں کا ملک کے ساتھ یارانہ ہے اور دونوں سارا سارا دن نال نال رہتے ہیں، آمنے سامنے بیٹھ کے روٹی کھاتے ہیں اورایک دوسرے سے گندے گندے مخول کرتے ہیں۔ ملکانی تو خیر بڑے دل گردے والی تھی، سب کچھ دیکھ کر بھی سہتی رہی، پر بیبو سے یہ سارا کچھ سہارا نہ گیا۔ اس نے لک لاکر دونوں کو نشر کرنا شروع کر دیا۔ ملک کی ہر کارروائی ہور ے پروائی شام تے پہلے پہلے ہر چھوٹے بڑے کے دھر پہنچ جاتی، پر ملک کے ڈر سے یہ باتیں دارے لوہار کے کانوں تک نہ پہنچتیں کہ اس کی گھر والی جو ملک کی حویلی میں کام کاج کرنے جاتی ہے دراصل کوئی کام نہیں کرتی۔

دارا بڑا سدھا سچا آدمی تھا۔ جب سے ہوش سنبھالا تھا بھٹی کی آگ اور لوہے کے ٹکڑوں سے کھیلتا رہا تھا اور لوہا کوٹ کوٹ کر اس کے ہاتھ کھرپے بن گئے تھے۔ دور دور کے گاؤں سے ہالی اور کسان اس سے ہل اور کدالیں بنوانے آتے اور نقد نانویں کے ساتھ جنس بھی دے جاتے۔

کچھ دنوں سے چک لنڈا کے بدمعاش دارے لوہار کے پاس آ جا رہے تھے اور اسے ہتھیار بنانے کے لئے کہہ رہے تھے پر دارا ان کی بات ٹالے جاتا تھا اور وہ زور تے زور دے رہے تھے حقی بات یہ تھی کہ دارے کو ایسی چیزیں ڈھالنے کا چاؤ نہ تھا۔ گولی بارود والی چیز تو

ایک طرف دارے کو بلم برچھے بنانا بھی اچھا نہ لگتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہتھیار نیڑے ہو تو آدمی کا جی خواہ مخواہ لڑنے کو چاہتا ہے اور خواہ مخواہ کی لڑائی ایک آدھ خون کئے بنا رہ نہیں سکتی۔ ادھر چک لہندا کے بدمعاش ڈکیتی کی تیاریاں کر رہے تھے، ادھر دارا ان کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ بدمعاشوں نے بیبو کو سکھا پڑھا کر دارے کے پاس بھیجنا شروع کیا۔ بیبو پانی کا گھڑا سر پر اٹھائے دارے کی کوٹھڑی میں آتی اور بھیگے ہوئے پلو سے چہرہ پونچھ کر کہتی "لالا بھابی کدھر گئی ہے؟"

دارا ہل کا پھل کاٹتے ہوئے کہتا "ملکوں کے ڈیرے گئی ہو گی۔ عورت ذات لوبھی ہوتی ہے بیبو! سارا دن گھر کا کام کاج کرتی ہے اور وقت ملنے پر ملکانی کی مدد کرنے چلی جاتی ہے۔ لالچی ......"

اور بیبو بات کاٹ کر کہتی "لالچی نہ لالچی۔ لالا اپنے گھر کی آدھی پرائی کی ساری سے اچھی۔ بھلا بھابی کو اپنے گھر کون سی تھڑ ہے جو........."

دارا ہاتھ روک کر جواب دیتا "بیوقوفے! کہہ جو دیا عورت ذات لوبھی ہوتی ہے، جدھر لال پیسہ دیکھا کلیجے سے لگا لیا۔"

"... ہونہہ" بیبو گھڑے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہتی "پیسے پیسے میں بڑا فرق ہے لالا۔ ایک پیسہ حق حلال کا، ایک پیسہ تھڑی تھڑی کا۔"

دارا ہتھوڑا اٹھاتا اور بھٹی جیسی آنکھیں پھاڑ کر کہتا "تھڑی تھڑی کیوں؟ کسی سے مانگ کر تو نہیں کھاتی۔ محنت کرتی ہے پھل پاتی ہے۔"

بیبو مڑتے ہوئے کہتی "اچھا لالا تیری عقل۔"

اور دارا ہتھوڑا بجاتے ہوئے سوچنے لگتا، میری عقل! کیوں میری عقل کو کیا ہوا ہے؟ اور دیر تک سوچتا رہتا۔

چک لہندا کے بدمعاشوں کا سردار ابدو بھی ایسی ہی باتیں کیا کرتا، وہ دھونکنی چلا کر بھٹی میں ہوا دیئے جاتا اور ہولے ہولے آکھتا "چاچا چھوڑ اس کام کو۔ گولی مار دوزخی کسب کو۔ ملک تجھ سے بڑا راضی ہے۔ سال کے دانے دے دیا کرے گا دونوں جی کھاتے

رہنا۔"

دارا منہ موڑ کر کہتا "بچو! دس انگلیوں کی کمائی میں بڑی برکت ہے، اللہ اپنی جناب سے دے، بندے سے کیا مانگنا وہ تو بچارا آپ منگتا ہے۔"

پر ابدو نہ مانتا اور یہی کہے جاتا کہ چاچی کی ملکوں سے بڑی سر ہے، وہ تیرے گھر میں دانے کی کمی نہ ہونے دیں گے۔ پھر اپنی جان دکھی کرنے سے فائدہ! مگر دارا نہ مانتا اور اسی طرح مشقت کئے جاتا۔

بھٹی کے پاس چھ چھ پہر بیٹھنے سے اس کے پھیپھڑے چھیتی چھیتی ہو گئے تھے اور ہتھوڑا چلا چلا کے اس کی چھاتی پیڑ کرنے لگی تھی۔ اس دکھ کا دارو سکھیے عملی نے افیم بتایا اور دارا کانٹا سار افیم روز کھانے لگا۔ افیم کھانے سے اس کا دکھ جاتا رہا اور وہ پھر پہلے جیسا کام کرنے لگا۔ بٹھل بلٹوئی رگڑتے ہوئے جب کبھی اس کی چھاتی میں پیڑ اٹھتی، وہ بوری کے نیچے سے ٹین کی ڈبیا نکالتا اور کالی رانی کی چھلت چاقو سے کاٹ کر تالو سے لگا لیتا۔ دھاموں اپنے گھر والے کے افیم کھانے سے بہت خوش ہوئی اور ملک، خود دارے لوہار کو افیم منگوا منگوا کر پہنچانے لگا۔

ایک دن جب بیبو نے دھاموں کے سر پر کھک ڈوریئے کی اوڑھنی دیکھی تو اس سے دھاموں کا روپ رنگ اور سج سہاری نہ گئی۔ وہ سیدھی دارے کے کوٹھے میں پہنچی اور اس کے پاس الٹے بٹھل پر بیٹھ کر بولی "بھلا لالا تیرے جیسا مرد بھی کوئی ہو گا۔ بھابی کھک ڈوریا لے کر لہرا لہرا کرتی پھرتی ہے اور تو یہاں لوہا کوٹ کوٹ کر دھوتو بن رہا ہے۔ ذرا اس سے پوچھ تو سہی کہ دوپٹہ کس نے دیا ہے۔"

دارے نے ترنگ میں کہا "لینا کس کے گھر سے تھا، بچاری ملکانی کا اتار پہنے پھرتی ہو گی۔"

بیبو نے چمک کر کہا "واہ لالا گھگھو واہ۔ ملکانی بچاری نے تو سفتے میں بھی ایسا دوپٹہ نہیں لیا ہو گا۔ پھر اتار کہاں سے دیتی۔ یہ دوپٹہ تو بھابی دھاموں کو ملک نے لا کر دیا ہے۔"

دارے نے بیبو کو چوٹی سے پکڑ لیا اور ایک ساتھ دو تین لاتیں لگا دیں۔ پھر اس نے گنیا اٹھا کر کہا " آج تو تو نے یہ بات کر دی، پھر تیرے منہ سے ایسا بول نکلا تو مجھ سے برا کوئی نئیں ہوئے گا۔ "

بیبو نے چوٹی چھڑانے کے لئے ذرا سے بھی زور نہ لگایا اور اسی طرح کہتی رہی " لالا چاہے توپ کے آگے رکھ کے اڑا دے، پر میں سچی بات کہہ کے رہوں گی۔ تیرا نام ڈوب گیا۔ تیری ذات کذات ہو گئی۔ چوکیدار کی لال کتاب میں نام تو تیرا بولے گا پر اولاد ملک کی ہو گی۔ لکھ لعنت اس ٹبر پر جو ذات سے بے ذات ہو جائے۔ "

دارا بال چھوڑ کر ہتھوڑا اٹھانے کے لئے جھکا تو بیبو " لکھ لعنت! لکھ لعنت!! " کہتی باہر کو نٹھ گئی۔

دوپہر ویلے دھاموں ملک کے ڈیرے سے واپس آئی تو دارے نے اسے ڈانگ سے مارنا شروع کر دیا۔ ککھ ڈوریئے کا دوپٹہ کھینچا تانی میں تاگا تاگا ہو گیا اور دھاموں کا سارا سریر نیلوں سے بھر گیا۔ وہ اسی وقت اسی طرح سے روتی چیخیں مارتی ملک کے گھر جا پڑی اور سارا قصہ سنایا۔ ملک غصہ سے جھلا ہو گیا اور حیدر مراثی کو دارے کے بلانے کے لئے بھیجا۔ دارا گھر چھوڑ کر کھیت میں لک کر بیٹھ گیا تھا، حیدر کو خالی واپس آنا پڑا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ملک اس کے گھر کسی نہ کسی کو بھیجتا رہا، پر دارے کا پتہ نہ چلا۔ شام تک ملک کا غصہ اتر گیا اور دھاموں نے کہہ سن کر اپنے گھر والے کو معافی دلوا دی۔ پر ملک اس بات پر اڑا بیٹھا تھا کہ دارا ایک بار اس کے سامنے ڈیرے میں آئے ضرور۔ اسے کچھ کہا نہیں جائے گا، پر وہ آئے ضرور۔

سورج چھپتے ہی دارا کھیت سے نکلا اور سیدھا ملک کے پاس پہنچ گیا۔ ملک صاحب اس وقت اپنی شکاری کتی رانی کی سنگلی پکڑے غصے سے کانپ رہے تھے اور دو آدمی ان کے مزارع کو لمبا پا کر چھتر مار رہے تھے۔ ملک جی ماں بہن کی گالیاں دے کر کہہ رہے تھے " تیکوں پتہ نہ تھا؟ میرے غصے کا حال معلوم نہ تھا؟ پھر تو نے دروازہ کھلا کیوں چھاڈیا۔ تیری ماں بہن کی ٹنڈیاں کس دوں سور کے بچے۔ تیکوں پتہ نہ تھا کہ رانی بہار پر ہے پھر

دروازہ کھلا کیوں رہ گیا؟ "

مزارع دھاڑ رہا تھا اور دونوں آدمی تڑا تڑ لتر مار رہے تھے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر دہائی دیتا، پر ملک جی کا غصہ کم نہ ہوتا۔ انہوں نے ایک نظر رانی کی طرف دیکھ کر کہا " تین ہزار کا مال پہلی بار بہار پر آئے اور دروازہ کھلا رہ جائے۔ گدھی کے پتر یہ کتی نہیں میری دھی ہے میری ننگ ناموس ہے۔ میری گھر والی اودھل جائے میری دھی نکل جائے ایک غم نہیں، پر اس کی کوٹھڑی کا دروازہ کیوں کھلا رہ گیا۔ تیکوں پہلے بتا دیا تھا سمجھا دیا تھا۔ مارو سالے کو۔ "

انہوں نے پیار بھری نظروں سے کتی کو دیکھا اور پھر جوتے برسنے کا نظارہ کرنے لگے۔

دارا کونے میں سہما کھڑا تھا۔ ہر جوتا جو مزارع کے جسم پر لگتا، دارے کی کمر سے چمٹ جاتا اور وہ آنکھیں میچ لیتا۔ جب مزارع کی مرمت ہو چکی تو ملک جی دارے کی طرف دیکھ کر بولے " کیوں اڑے میرے ہوتے ہوئے تو نے دھاموں کو مارا! گدھی کے پتر تجھے پتہ نہیں میں بڑے بڑے راٹھوں کا کلیجہ کھا جاتا ہوں۔ لاٹ صاحب کا سانس پی جاتا ہوں۔ تو ہوا کون دھاموں کو مارنے والا۔ "

دارے نے کچھ کہنا چاہا تو ملک جی نے کہا " بس دفع ہو جا۔ لے جا یہ کالا منہ میرے سامنے سے نہیں تو اٹھا کر کے تیری بھی چھترول کروں گا۔ "

دارا پولے قدم اٹھاتا ڈیرے سے باہر نکل گیا۔ کوٹھے میں پہنچ کر اس نے بھٹی جلائی۔ بٹھل بنانے والی چادر کاٹ کر ہاتھ بھر لمبی نلکی بنائی اور ٹانکا لگانے لگا۔ ابدو کا دیا ہوا کارتوس زمین اکھاڑ کر نکالا اور نلکی کو گیجے میں لا کر کارتوس اندر ڈال کے دیکھا۔

رات چھا رہی تھی۔ بھٹی کے لال لال کوئلے کوٹھے میں چانن کر رہے تھے اور آج دارا کسی کے کہے بنا دیسی پستول بنا رہا تھا۔ آدھی رات کے وقت جب سب جھڑیں اپنی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ گئیں اور گھوڑا کارتوس پہ لگنے والی ٹھوکر کھٹ سے باہر نکلنے لگا تو دارا ابدو کا کارتوس پستول میں بھر کر ملک کے ڈیرے پر آ گیا۔ ڈنگروں والے احاطے میں کتی اپنے پنجوں سے پھاٹک کھرچ رہی تھی اور حویلی کے اندر دھاموں ملک کے گھر کا کام کاج کر رہی تھی۔ دارا ڈب میں پستول چھپائے احاطے کے ساتھ کچے کوٹھے کے نصف پرنالے سے لگ

کر کھڑا ہو گیا۔ اسے پتہ تھا کہ تھوڑی دیر میں دھاموں باہر نکلے گی اور ملک بھی اس کے ساتھ گلی کے موڑ تک جائے گا۔ جب وہ دونوں موڑ کی طرف جا رہے ہوں گے تو گھوڑا ٹھوکر دے گا، کارتوس چلے گا اور دونوں ......

کتی پنجوں کے ساتھ پھاٹک کھرچے جاتی تھی اور ہلکی ہلکی آوازیں نکال کر کوک فریاد بھی کرنے لگی تھی۔ پرنالے کے ساتھ لگے لگے دارے کو شام کا واقعہ یاد آ گیا۔ مزارع دھاڑیں مار رہا تھا اور ملک کہہ رہا تھا یہ کتی نہیں میری دھی ہے۔ میری ننگ ناموس ہے۔ دارا نشے میں سوچ رہا تھا پستول چلے گا تو دونوں مر جائیں گے ..... دونوں ختم ہو جائیں گے پر ملک کی عزت میں فرق نہ آئے گا۔ ملک زندہ بھی ملک تھا اور مر کر بھی ملک رہے گا۔ اس نے اپنی ڈب میں پستول کو اچھی طرح سے لپیٹ کر تہمد میں اڑس لیا اور دیوار کے نال نال چلتا ہوا مسلیوں کے ڈیرے پہنچ گیا۔ سیٹی بجا کر اور پچکار پچکار کر وہ اسے اپنے ساتھ نالے کے پاس لے آیا اور پھر ایک دم مسلیوں کے ڈبو کو گودی میں اٹھا کر ملک کے احاطے کے اندر سٹ دیا جہاں بہار پر آئی ہوئی رانی فریادیں کر رہی تھی۔

پچھیری

میر صاحب کی تعیناتی کے بعد علاقے میں رسہ گیری کی وارداتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ جب سے چوہدری تفیرے نے گھوڑی پال مربعوں سے ایک ولائتی پچھیری خریدی تھی، ڈمرو کلاں کے عمدی اور سلیمان سوئے کے ارد گرد نت چکر کاٹنے لگے تھے اور گاؤں میں چرچے ہونے لگے تھے کہ یہ پچھیری دوسروں کا مال بھی بکری کر دے گی۔

چوہدری تفیرے نے چام کے منجے پر نہرنے سے پیروں کی ٹھیٹھیں چھیلتے ہوئے حیدری سے کہا "پت حیدر، انشٹالے والے کنوئیں سے پچھیرے لے آ۔ دونوں وقت ملتے ہیں کہیں ساری عمر روتے ہی نہ رہ جائیں۔"

حیدری نے چھوڑے کو ایک طرف کر کے پوچھا "میاں نیول نہیں ڈالا تھا؟"

"ڈالا ہے بھائی، ڈالا کیوں نہیں" چوہدری نے نہرنا روک کر کہا "پر یہ کالے منہ والے خنزیر ہتھکڑیاں کاٹ لیتے ہیں۔ ڈنگر کا نیول کیا کرے گا۔ جا شاباش جلدی کر۔"

حیدری کو ذرا رکتے ہوئے دیکھ کر نگو بولا "میں لے آؤں چوہدری؟" اور بات ابھی اس کے منہ میں ہی تھی کہ چوہدری نے اکڑ کر کہا "بیٹھ اوئے کم ذات! دھیوں جیسی پچھیری کی راس بیٹے کے ہاتھ میں ہی سجتی ہے۔ تو ذات کا جولاہا، کھیس میں پھل چڑیاں ڈالنے والا! تجھے کیا پتہ گھوڑا کیا ہوتا ہے۔ اوئے میں تو تجھے اپنی شوقاں کے اگاڑی پچھاڑی بھی نہ باندھنے دوں، تو اسے واپس لانے کو کہہ رہا ہے۔"

حیدری جوتا پہن کر چلا گیا تو چوہدری، گلو سے ولایتی گھوڑیوں کی باتیں کرتا کرتا ولایتی کپڑے کے قصے سنانے لگا جو شہر کی چھلّے والیاں سو سو روپے گز کا خرید کر پہنتی ہیں۔

شٹالے کے ہرے ہرے کھیت میں کالی رات جیسی شوقاں مزے مزے اوپر اوپر کے پتے موچھ رہی تھی۔ حیدری نے اس کے قریب ہو کر گردن پر بڑے پیار سے تھپکی دی۔ بچھیری نے کنوتیاں جوڑ کر اگلے بندھے ہوئے پاؤں ایک ساتھ دھرتی پر مارے اور پھر چرنے لگی۔ حیدری ہنسا اور کھیسے سے لوہے کی بڑی ساری کنجی نکال کر نیول کھولنے کو اس کے اگلے سموں میں بیٹھ گیا۔

بڑے کیکر کے پیچھے سے نوری کاٹو نے آگے بڑھ کر کہا "ہائے وے چالاک، چوہے کس طرح مسکین بن کے بیٹھ گیا ہے، جس طرح کسی گل کا پتہ ہی نہیں۔"

حیدری نیول کھولے بنا کنجی کھیسے میں ڈال کر ہنستا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

کاٹو نے کہا "پہلے میری بات کا جواب دے پھر ہنستے رہنا۔"

حیدری بولا "سونہہ قرآن کی مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ تو ایدھر کھڑی ہے۔"

کاٹو کڈھنگ منہ بنا کر بولی "رہنے دے چالاک چوہا ـــ پرسوں سلامتے سے کیا میٹھی باتیں کر رہا تھا۔"

"کچھ نہیں" حیدری نے کان رگڑ کر کہا "میں نے تو کوئی بات نہیں کی"۔

"میں کوئی بال نہیں" کاٹو بگڑ کر بولی "سب جانتی ہوں۔ اب بھی کہہ سونہہ قرآن کی۔"

حیدری کوئی جواب نہ دے سکا اور دانت نکالنے لگا تو کاٹو نے اکھیاں میچ کے آکھیا "مجھے سب پتہ ہے کالے منہ والی میری ہی باتیں کرتی ہوگی۔"

حیدری نے سر ہلاتے ہوئے کہا "بات تو تیری ہی تھی پر وہ نہیں جو تو خیال کرتی ہے۔"

"ہور کیا تھی پھر؟"

"بس کچھ بھی نہیں"

"میں نہیں مانتی"

"نہ مان"

"ہائے اللہ کچھ بتا تو سہی تیرا ستیاناس جائے"

"ایدھر کھیت اندر؟"

"ہور اسماناں وچ لے جا کے بتائے گا؟"

"ادھر چل سامنے بیلے میں"

"رہنے دے۔ مجھے پتہ ہے، سونہہ قرآن کی تو بڑا خراب ہے"

"احمقے، بھلے کا سماں نہیں، کھیت میں کسی نے دیکھ لیا تو دونوں مارے جائیں گے"

"نہ میں نہیں جاتی"

"تیری مرضی پر بات بڑی مزے دار ہے تیرے سننے والی"

"پر تیری کوئی گھوڑی لے گیا پھر؟"

"کوئی نہیں لے جاتا۔ نیول ڈالا ہوا ہے۔"

"اچھا چل۔ پر دیکھ لے، مجھے جلدی ڈیرے تے اپڑنا ہے۔"

"ایک منٹ میں سب کھول دوں گا تیرے سامنے۔"

"اللہ کرے، سلامتے کو کیڑے پڑیں۔"

"اللہ آپ ہی بدلہ لے گا تو کیوں منہ گندہ کرتی ہے، چل جلدی کر۔"

جب حیدری کو گئے ہوئے بڑی دیر ہو گئی تو چوہدری تفیرے کو فکر پڑ گئی۔ اس نے حقے کو جلدی جلدی دو تین دفعہ بجایا، پھر کھلّے پہن کر آپ کھیت کی طرف چل دیا۔

کھیت پہنچ کر اس نے دیکھا شوقاں مزے مزے سے شٹالا کھا رہی ہے اور حیدری کا کوئی پتہ نہیں۔ گہری شام میں بچھیری کا کالا کالا وجود گھلتا جا رہا تھا اور چوہدری شکر کر رہا تھا کہ شوقاں کھیت میں صحیح سالم کھڑی ہے۔ بچھیری کو گھر لے جانے کی ترکیب اس نے یہی سوچی کہ آہستہ آہستہ ہانک کر نیول سمیت چھرنگوں کے ڈیرے تک لے جائے اور وہاں کسی کو خبرداری کے لئے بٹھا کر گھر سے نیول کی دوسری کنجی لے آئے۔ اس نے اپنے موٹے سے

سخت ہاتھ کا دھپا پچھیری کے پٹھے پر مارا۔ مگر شوقاں ہلی تک نہیں، ویسے ہی چرتی رہی۔ ابھی چوہدری نے دوسرا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ آواز آئی:

"بلھے شاہ کو اپنی پنچکلیاں سے عشق ہوا تھا اور ہمارا چوہدری اپنی پچھیری آگے ہار مانے کھڑا ہے۔"

چوہدری نے مڑ کر دیکھا تو سایہ اس کے بالکل نیڑے پہنچ چکا تھا۔ اس نے حیران ہو کر آکھیا "ریباں تو کدھر؟"

اور ریباں تھمد کی ڈبیں کستی ہوئی بولی "جدھر مقدر کا میلہ ہو آدمی ادھر ہی کھچ جاتا ہے۔ میں تیری طرف آئی تھی۔"

"کیوں خیر ہے؟" چوہدری نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"وہ جو کالے منہ والا جھڑوس ہے نا؟" ریباں نے اطمینان سے کہا "اب میری اس سے گزر نہیں ہو سکتی۔ کام کار اس سے ہوتا نہیں۔ لہورت ساری ختم ہو گئی ہے۔ منجی پر بیٹھا روٹی مانگتا ہے یا گالیاں دیتا ہے۔"

"پھر؟" چوہدری نے پوچھا۔

"میں تو اب کاغذ لے لوں گی۔ بس اللہ اللہ خیر صلا۔"

چوہدری نے مسکرا کر کہا "تو آتے ہی اپنے رنڈی رونے لے بیٹھی۔ کچھ ہم غریبوں کا حال پوچھ لینا بھی ضروری تھا کہ نہیں۔ دو دو مہینے تو تو شکل تک نہیں دکھاتی اور ملتی ہے تو اپنے ہی قصے لے بیٹھتی ہے۔"

"اپنے قصے نہ کروں تو اور کیا کروں؟" ریباں نے رونی آواز نکال کر کہا "کوئی ایک بات ہو تو کر کے چلی جاؤں۔ میرے تو سینے میں دوزخ بھڑک رہا ہے.... اب وہ جو اس کی پہلی گھر والی سے پلوٹھی کی مٹیار تھی نا، بمبو کاٹ بنی پھرتی ہے۔ میرے نہ تیرے کسی کے بھی اختیار میں نہیں رہی اور.. اور پرسوں پتہ ہے اس نے.... اس نے کیا کیا....؟"

ریباں رک گئی تو چوہدری نے کہا "بول بول رک کیوں گئی؟"

ریباں نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا "بھلے کا سمے نہیں چوہدری! ذرا اس طرف چل کے

بات سن۔"

"پروا نہ کر۔" چوہدری نے سرہلا کر کہا۔ "ادھر کوئی نہیں آسکتا۔"

ریباں نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور منہ اونچا کر کے بولی "میں نہیں مانتی، توبہ میری۔ ایک بار تجھے یاد ہے ناں میری تیری گل بات کیسے کیسے تھانے کچہری پہنچی تھی.... توبہ توبہ، اب نہیں دھوکا کھاتی... چل ادھر۔"

چوہدری تفیرے نے پچھیری کی طرف دیکھ کر کہا "ادھر شوقاں اکیلی ہے اور رات کالی سیاہ سر تے آ گئی ہے۔ رب نہ کرے اگر......"

ریباں نے پچھیری کی طرف دیکھے بغیر کہا "نیول نہیں ڈالے؟"

چوہدری نے کہا "نیول تو ڈالا ہوا ہے۔"

"شاباش تیرے" ریباں نے شرم دلاتے ہوئے چوہدری کی آستین کھینچی اور کہا "پھر کس کا ڈر ہے۔ تیری پچھیری چوہدری! کس کی ہمت ہے جو ہاتھ بھی لگائے... چل"

اور وہ دونوں کنوئیں سے پرے بکائیں کے ذخیرے میں جا بیٹھے۔

کوئی آدھ گھنٹے بعد جب چوہدری، ریباں کو کاغذ لے کر دینے کا پکا وعدہ کر کے ذخیرے سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا حیدری پچھیری کو گھر لے جا چکا تھا۔ شوقاں کو تھان پر دیکھنے کے لئے چوہدری جلدی جلدی حویلی کی طرف قدم مارنے لگا۔

جب وہ حویلی میں داخل ہوا اور اس نے شوقاں کے علاوہ دوسرے تمام جانوروں کو اپنی اپنی جگہ بندھے پایا تو وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔

"حیدر کدھر ہے، حیدر کدھر ہے؟" چوہدری نے غصہ سے اڑاونا شروع کر دیا اور ایک ایک کر کے سارے مزارع اس کے پاس جمع ہو گئے۔ پر ان میں سے کوئی بھی یہ نہ بتا سکا کہ حیدر کہاں ہے۔

تھوڑی دیر بعد حیدری منہ لٹکائے حویلی میں داخل ہوا تو چوہدری تفیرا بے چینی کے ساتھ مونڈھے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ حیدری نے ہولے سے کہا "میاں جب میں کھیت گیا تو پچھیری پہلے سے ہی نہیں تھی۔ میں نے ہر ایک سے پوچھا مگر کسی کو شوقاں کا پتہ نہ تھا۔ اس گھڑی

سے اب تک دور دور تک کھوج کے آیا ہوں پر کوئی سار نہیں ملی۔"

چوہدری تفیرے نے جل کر کہا "لکھ لعنت ہے تیری جوانی پر اور تیرے پیدا ہونے والے دن پر۔ پتہ نہیں کہاں کہاں خوار ہوتا پھرا ہے۔ مجھے پتہ ہوتا تو میں خود جا کے پچھیری کھیت سے لے آتا... جا دفع ہو جا میری آنکھوں کے آگے سے۔ پتہ نہیں کدھر کدھر بے حیائیاں کرتے پھرتے ہیں اور جانور بے آسرا چھوڑ کے خدا خبر کدھر منہ کالا کرتے ہیں"

❋

دوپہر ویلے

گرمیاں کی تتی توا دوپہر، سوا نیزے تے سورج، لُو آکھے اج میں تلوار بن کے سبھناں کے ٹوٹے کر دینے ہیگے ۔ جو کوئی میری راہ وچ آئے گا آپی ماریا جائے گا۔ جو بچ جائے گا ساری حیاتی کرلاندا رہے گا۔ اندراں وچ چھپ جاؤ۔ کوٹھیاں وچ لک جاؤ۔ پر کامے لوگ کلر کم چھوڑ سکتے ہیگے تے کدھاں آرام کر سکدے ہیں، بھر گرمی وچ جان مارتے رہے۔

سلیمان بھوسے کی مونہوں منہ بھری گڈلے کے گھر آیا۔ بلد کھول کے کھرلی تے بنھے۔ سوچن لگیا نیانیاں نے تو اج گھر ہونا ای نئیں دو گھڑی اکھ لگا کے انیندرا دور کر لو گا۔ پر شبیر رضیہ دونوں اندر بیری تھلے کھیل رہیئے تھے۔ رضیہ کے سر تے گڑوا تھا اور شبیر موٹا سا موتار ہاتھ میں پکڑے رضیہ کی درداں کر رہیا تھا۔ سلیمان نے اندر آتے ہی پوچھا "اج ایہہ سکول نئیں گئے دونوں گونگلو"۔

رسولاں آکھن لگی "اج سکول کی کندھاں تے پچارا ہو رہیا اے ایس کر کے سکولیاں کوں چھٹی مل گئی اے۔ پر تو ایس ویلے کدھر آ گیا سلیمان اچان چک؟"

سلیمان بولیا "تیں کوں خوشی نئیں ہوئی میرے آنے کی؟"

"تو خوشی کو کہتا ہے سلیمانا" رسولاں نے ھانڈی کی چپنی اچا کے آکھیا "میری خوشی کی شاہدی تو ایس ھانڈی میں دیکھ لے آپی"

سلیمان نے دیکھیا اندر رتے لال مسالے وچ گھیئو تے بھری، خوشبواں چھڈدی ککڑی پک رہی تھی۔

سلیمان آکھیا "لے بھئی اج تو کمال ای ہو گئی۔ میرے دل کی بات پوری ہو گئی۔ سوچتا تھا کہ اک نہ اک دن ککڑی رینڈھ کے ہم آپ ای کھانواں گے چاروں کے چاروں۔ ھور کسی کو نیڑے نہیں آنے دیں گے۔ رج رجا کے لمی تان کے نیندر کریں گے، موجاں ماریں گے، بادشاہیاں کریں گے"۔ پھر اس نے ذرا سا رک کے پوچھا "اک ٹنگ اس ویلے نئیں مل سکدی؟"

"بسم اللہ بسم اللہ" رسولاں خوش ہو کے بولی "تو حکم کر، فرمائش کر سلیمان۔ طلب وکھا۔ ایہہ سب کچھ تیرا ہی ہے کہ۔ اساں کوں بردے ہون کا شرف ہے تساں کوں مالک مختار" پھر رسولاں نے ھانڈی تے لت کی بوٹی ڈوئی وچ کڈھ کے باسی روٹی تے رکھی۔ ڈوئی والا مسالا روٹی تے چھنکیا پھیر خوش ہو کے بولی "کدی کدی آجایا کر ایسے ڈھنگ"

سلیمان نے بوٹی تے پھوک مار کے آکھیا "کم ای اتنا ڈھیر ہوونا اے رسولاں کہ گھر پھیرا نہیں لگ سکتا۔ میرا بھلا دل نیئں کرتا کہ سوانی نال، ایانیاں نال رل مل کے بیٹھوں"۔

سلیمان گرم بوٹی پھوکاں مار مار کے سیت کر رئیا تھا کہ شبیر رضیہ دونویں کداکڑے مارتے رولا پاتے باہر چھلے نیڑے آگئے اور باپ کے گردگھمن گھیریاں ڈال کے "ابا آگیا ابا آگیا" کی مہارنی کرن لگ پڑے۔ ابے نے بوٹی ان کے آگے کر کے کہا "لوؤ کھاؤ۔ پر گرم اے دھیان کر کے توڑنا" دونویں ایانے بھکھے باگھ بن کے بوٹی پر جھپٹے تو رسولاں نے ڈوئی اچا کے آکھیا "بوٹی کوں ہتھ لایا تو میں ہڈیاں توڑ کے چورا بنا دوں گی۔ وچارا نمانا مریا کھپیا آوندا اے تے ایہہ بگھیلے اگے سے ٹکر جاتے ہیں۔ خبردار۔ پرے ہو کے مرو"

سلیمان نے گھور کے اپنی سوانی کوں دیکھیا اور ہٹک کے بولیا "اگے کوئی گل کری تو میں اینھائیں اٹھ جانا ایں۔ او بھلیئے لوکے اپنا کی اے ایس دنیا وچ۔ سب کش ایناں کے واسطے

ای ھیگا۔ اپنا کم تو سیوا کرنا ہیگا سو کری جارئے ایں حکم اللہ کے نال"۔

دونویں ایانیاں ابے کی شہ پائی، بوٹی اچائی اور نعرے مار کے کھان لگ پڑے۔ سلیمان سکی روٹی لویٹ کے کھانا شروع کری۔ رسولاں کا دل کرے دوھوں کو کن پکڑ کے باہر کڈھ دے اور کنڈی بند کر کے سلیمان تے لڑائی کرے بئی اتنا سر نہ چڑھایا کر بالوں کوں۔ پر سلیمان کے ہوتے نہ وہ بالاں کو باہر کڈھ سکتی تھی نہ کنڈی بند کر کے اپنے گھر والے تے لڑ سکتی تھی۔ چپ کر کے ھانڈی رینڈھنے میں لگی رہی اور اندر ہی اندر بس گھولتی رہی۔

جد سلیمان کی روٹی ختم ہوئی تو شبیر اگے بڑھ کے بولیا "چل ابا شیر شیر کھیلئے" ماں نے زہر بھری انکھیوں سے شبیر کو گھورا تو رضیہ آگے ہو کے بولی "ابا اماں کوں اس کے پیو کے گھر چھڈ آ۔ ایہہ ہم کو تیرے نال کھیلنے نہیں دیتی"۔

سلیمان نے اپنی دھی کو ساتھ چمٹالیا اور پیار سے بولیا "اس کی ستیا ہے جو اپنے کھیل میں دخل دے۔ مجال نہیں۔ بے فکر ہو کے کھیلو" "دے گی دخل ابا دے گی" شبیر ٹیوسی مار کر بولیا "یہ اینویں ای ہر کام میں ہم کو چکتی رہتی ہے۔ کہتی ہے اپنے ابے کو تنگ نہ کرا کرو۔ ہم تجھے تنگ کرتے ہیں ابا؟"

"بالکل نئیں" سلیمان تیقن کے ساتھ بولیا۔

"کہتی ہے ابا نمانا تھکا ہارا کھیت سے گھر آتا ہے اور تم اس کو لیر لیر کر دیتے ہو۔ ہم تیں کوں لیر لیر کر دیتے ہیں ابا؟"

"کوئی بھی نئیں" سلیمان ہنس کر بولا "بالکل نئیں - ایویں ای تم کو ڈراتی ہے۔ تم ڈرا نہ کرو"

"ہم کو مارتی بھی ہے ابا" رضیہ نے ماں کو دیکھ کے کیا۔

"مارتی ہے!" سلیمان ہریان ہو کے بولا "ایہہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کیوں بھئی رسولاں ٹھیک آکھتے ہیں میرے بچڑے؟"

رسولاں جل کے بولی "بچڑے جانن اور ان کا ابا جانے۔ مجھے کوئی لوڑ نئیں دچکار آنے کی۔ لے کے ساری بوٹی کھا گئے بھکھے بلے! ان کے اوجھڑ تو بھرتے ہی نہیں"

سلیمان نے رسولاں کی گل کا کوئی جواب نہ دیا اور بچوں کو نال لے کر شیر شیر کھیلنے دوسرے کوٹھے وچ چلا گیا۔

جد بھوئیں تے چاروں پنجے جما کے شیر نے ایک دھاڑ ماری تو دونوں شکاریوں میں بھاچڑ پڑ گئی اور وہ باہر نس گئے۔ شیر نے ہاک مار کر کہا " آؤ جی آؤ! شکاریو نیڑے تو آؤ! حالی تو شیر نے جھپٹا مار کے دکھانا ہے۔ ابھی تے نٹھ گئے او" شکاری دوجی باری اندر آئے تو شبیر کے ہتھ میں وہی موٹی موتار تھی۔ اس نے کس کے شیر کی کھبی میں ماری اور شیر دوھرا تہرا ہو کر لیٹ گیا۔ پہلے چیخا، پھر زور زور سے ہنسنے لگا۔ رضیہ نے اگاں ودھ کے شیر کے سر پر زور کا دھپا مارا اور سلیمان کی پگڑی کھل کے اس کے گلے سے لویٹ گئی۔ دونوں خوشی سے تالیاں بجانے اور ٹپوسیاں مارنے لگے۔

شبیر نے کہا " حالی مریانئیں مریانئیں۔ اک ھور مار رضیہ۔ کس کے مار"

رضیہ آکھن لگی " ہنے مری شبیر ہنے مری۔ پانی پی کے مری"

اس کے ساتھ ہی دونوں نے ابے پر چڑھ کر شیر کو مارنا شروع کر دیا۔ شیر رونے کرلانے لگا تو دونوں کو اور چترائی چڑھ گئی۔ وچارے شیر کو مار مار کر ادھ مریا کر دیا۔

رسولاں رولا سن کر اندر آئی تو گرج کر بولی "بے حیاؤ۔ کتیو۔ خبردار جو اس کو ہتھ لایا مشوم کو۔ میں ہتھ کپ چھوڑ ساں۔ گل وڈھ دے ساں"۔

بچے دھل گئے تو شیر اٹھ کے کھڑا ہو گیا اور کڑک کے بولیا "اج تے پچھے ایناں کوں کش کیا پھیر میرے تے برا اور کوئی نئیں ہووے گا"

"ایہہ بھانویں جو چاہے کرن"

"ہاں۔ اے بھانویں جو چاہے کرن"

"اچھا ٹھیک اے" رسولاں نے بھڑ کے آکھیا۔ پھیر اگے ہو کے رضیہ کی بانہہ پکڑ کے بولی "تیرا ناس جائے، سنڈیئے، باگھنے تو تو دفع ہوارے تے"

سلیمان نے پورا ہتھ اگے کر کے دونواں کی راہ روک دیئی۔ سیانپ کے ساتھ بھلمنسائی کے انگ میں آکھن لگا "جد گل اک باری ہو گئی۔ تیری سمجھ وچ آگئی پھیر

کڑی کی بانہہ پھڑ کے کھچن کا فیدہ۔ چھڈ دے، مڑ جا۔ جا کے اپنا کم کر اور ہم غریباں کو کھیلن دے۔"

رسولاں بڑ بڑ کر کے باہر نکل گئی، ھور وچاری کر بھی کیا سکتی تھی!

باہر آ کے اس نے تھال کٹورے دھوئے۔ ھانڈیاں مانجیاں۔ چلہے آگے بہاری کری۔ پانی کا چھٹا لایا۔ شوروا سنبھال کے ٹھنڈے پانی کے پتیلے وچ رکھیا پھیر انتظاری کرن لگ گئی بئی جد کدوی شیراں بگھیاڑاں ساتھ بلونگڑیاں گدڑاں کا کھیل ختم ہووے اوہ روٹی برتانے والی بنے۔ پر اودھر کی تو کوئی خبر ای نئیں تھی۔ پتہ ای نئیں تھا کہ اندر کس نگر کے بھوت آئے بیٹھے ہیں، اندر ہوکی رئیا اے۔

تھوڑی دیر پچھوں رسولاں پولے پولے قدم دھرتی کوٹھے اندر گئی پھیر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ دونوں شکاری اور شیر ایک دوسرے کے گلے میں باہاں ڈال کے گھوک سوئے پڑے تھے۔ منجی چھوٹی تھی۔ شیر کا سر اور پنجے سیرو اور پائنتی سے باہر نکلے ہوئے تھے اور پگڑی بھوئیں تے کھلی پڑی تھی۔

باہر منارک ککڑی نے آنڈا دے کے سارا گھر سر تے اچا لیا۔ رسولاں بجلی بن کے باہر نکلی۔ اپنا سالو پیڑھی تے سٹ کے ککڑی پچھے نسی اور بولی "نی مرجانیئے۔ چھری تھلے آنیئے۔ اک منٹ لئی سلیمان کی اکھ لگی اے تو نے رولا ڈال کے اسمان سر تے اچا لیا۔ ٹھہر جا تیریاں بوٹیاں کر کے تیری جان کڈھاں۔ کتیاں اگے سٹاں"۔

❋

پھمّن کہانی

(۱) ادھی رات جد کمہاراں کا گدھڑا رنگیا تد میرا ابا جھگی اندر حقہ پی رہیا تھا۔ میرے ابے کی اک اکھ تے پانی رستا رہتا تھا جس میں پھولا تھا۔ دوسری سے گھٹ نظر آتا تھا پھر بھی وہ سارا کم کاج سوکھالا کر لیتا تھا اور راضی تھا کہ اس کے سارے کام پورے ہو رہے ہیں۔ اس دن دوپہر کو اس نے اپنی جھوٹی رحمے کسائی کے ہاتھ بیچی تھی اور ساری رقم چوہدری کے قرضے میں اتار دی تھی۔ گدھڑے کی آواز کے ساتھ ہی بدل گجیا تو میرے ابے نے ہاک مار کے پچھیا "کی ہویا اے؟" میری نانی نے چیک مار کے آکھیا "کا کا ہویا اے نور بخشا ودھائی ہووے"۔ میرے ابے نے حقہ پرے کر کے ساریاں انگلیاں کے پٹاکے کڈھے پھیر اران نال بھوئیں تے تھک کے منجی تے سو گیا۔

(۲) میری ماں نے میرا ناں پھمّن رکھیا۔ میری نانی نے بستی وچ پتاسے بانٹے۔ چوھڑیاں کے گھر جوڑا اپڑایا۔ پھیر چوہدریاں کے گھر سلام کرانے لے گئی۔ وڈھی چوہدرانی نے مجھے دیکھ کے آکھیا "نی ربیاں تیرا دوھتا تو اپنی ماں سے بھی زیادہ کالا ہے۔" میری نانی بولی "بی بی منڈیاں کا رنگ کس نے دیکھنا ہے۔ دعا کرو لمی عمر والا ہووے۔" چوہدرانی کیا "ہاں ہاں بھینا دعا ای دعا اے۔" پھیر چوہدرانی نے میرے واسطے گوٹے کی ٹوپی ہور پنج روپئے نقد دتے۔ پھیر کہن لگی "جد پھمّن چلن پھرن لگ گیا تد میں تیرے پھمّن کو اپنے

پوتے واسطے نوکر رکھ لواں گی۔ فکر نہ کریں۔" میری نانی ہتھ بنھ کے بولی "آپ دے ہوتے اساں کو فکر کی بی بی۔ اللہ چنگ بھاگ ساوے۔ حکم بنے رہن۔ پھمن اس حویلی کا بردا ہے۔ غلام ہے۔ اس نے ہور کدھر جاناں ہے۔"

(۳) جد میں اپنی ماں کے ساتھ راٹھاں کے گھر گیا تو ایک بڑے سے منجے پر ایک بڑا سا آدمی پڑا تھا۔ وہ آدمی نئیں تھا آدمی کی لوتھ تھی۔ تُرکاں نے اس کو کہاڑیوں سے کاٹ دیا تھا اور اس کی گردن اتار کر لوتھ کے نیڑے رکھ دی تھی۔ راٹھوں کے گھر والے اس کی گردن اور لوتھ ایک ساتھ اٹھا کر گھر لے آئے اور دونوں کو رومالی سے باندھ کر منجے پر لٹا دیا۔ بستی کی سوانیاں سینے پر ہاتھ مار مار کر پٹک پیا کر رئیاں تھیں اور باہر لوگ جنازے کے واسطے گھوڑیوں پر آرہے تھے۔ میں اپنی ماں سے پچھیا اماں جنازہ کی ہوتا ہے تو اس نے کچھ کے میرے چپیڑ ماری اور سیاپا کرن والی سوانیوں کے نال مل کے سیاپا کرنے لگ گئی۔

(۴) اک دن پٹواری غلام علی نے مجھے اپنی کوٹھڑی میں بلا کر چھولے پھلیاں کھلائے اور میرے منہ پر ہاتھ پھیر کر پیار کرتا رہا۔ پھیر کہن لگیا "پھمناں تیں کو کپڑے میں جان ڈال کے دساواں؟" میں چپ کھڑا رئیا۔ بالکل نئیں بولیا۔ پٹواری نے اپنیاں جانگھاں چوڑیاں کر کے آکھیا "ارے ویکھ" — میں ڈرتے ڈرتے دیکھیاں پٹواری کی ڈبی دار دھوتی اچے اچے ہجوکے مارتی تھی۔ میں بہت ڈریا۔ پٹواری ہسن لگ گیا۔ آکھن لگا "نیولا ہے نیولا!"

(۵) چوہدریاں دی وڈھی کڑی نے مینوں بلا کے آکھیا "پھمناں میرے کپڑے دھوان واسطے لے جا۔ اپنی ماں کو دسیں کہ ہور وی کپڑے ہیگے اوہ میں کل بھیجاں گی۔ ایناں کو نیل نہ لائے سدھے ای دھوئے۔" اس کڑی دے سر یر وچوں شرینھ کے پھلاں جئی خشبو آتی تھی۔ اس کو ماسٹر حشمت علی پڑھانے آتے تھے اور ماسٹر حشمت علی کی عینک کا

ایک شیشہ تڑکا ہوا تھا۔ وہ پھڈی جوتی پہنتے تھے اور بار بار اپنی دھوتی کستے رہتے تھے۔ میں نے ایک بار ان کی سوانی کو انار کے بوٹے نیچے نہاتے دیکھا تھا۔ وہ اپنے بالوں کو مہندی لگاتی ہے اور مسوڑھوں پر دنداسہ ملتی ہے۔

(۶) پرانے آوے نیڑے تینوں کھجوروں میں تین جن رہتے تھے۔ ایک کھجور پر ابا رہتا تھا. دوسرے پر اماں اور تیسرے میں ان کا بیٹا۔ جد تینوں جن آپس میں لڑتے تو کھجوروں تے بین کرن کی آوازاں آن لگ جاتیاں تھیں۔ جنوں کا بیٹا کرپو چماری کو چمٹ گیا تھا۔ کرپو کہتی تھی میں کھلے تے بالکل موتر نئیں کریا ایہ خواہ مخواہ میرے ساتھ چمڑ گیا اے۔ گوٹھ ودھان تے اک سیانا منگوا کے کرپو کا جن نکالیا۔ میری ماں آکھتی تھی بڑیاں مشکلاں تے کرپو کی جان بچی اے۔ واہگورو بڑی کرپا کری اے۔ واہگورو کو میں نے کئی مرتبہ چوہدریوں کی حویلی میں موڑھے پر بیٹھے دیکھا تھا۔ اس کی داڑھی دھولی تھی اور دور سے چمکارے مارتی تھی۔ پر واہگورو کسی سے بات نہیں کرتا تھا چپ چاپ موڑھے پر بیٹھا رہتا تھا۔

(۷) ہماری بستی سے دو میل پینڈے پر ریل گاڑی گزرتی تھی۔ گاڑی کی لین پر ہم پیسہ رکھ کے اسے چوڑا کرتے تھے اور اسے موبلاں اکھی کی دوکان پر ادھیانی کر کے چلاتے تھے۔ موبلاں اکھی ہم کو سودا تو دے دیتی تھی پر شام کو میری ماں سے پیسے لے کر میری ادھیاں اس کو واپس کر دیتی تھی۔ اکھی کو پتہ ہوتا تھا کہ ہم اس کے ساتھ ٹھگی کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔

(۸) کدی کدی میرے اندر بڑی پیڑ اٹھتی تھی اور میرے سے چلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ نانی ہینگ کی پھکی بنا کر مجھے چٹاتی تھی تو میرے اندر سے ہینگ کی بوسیاں نکلنے لگتی تھیں۔ لوگ نیڑے نئیں آنے دیتے تھے۔ درے درے کر کے بھگا دیتے تھے۔ سردار گوردیال سنگھ نے میرا ناں پھوسی کا پھمن رکھ دیا تھا۔ جد منڈے مجھے اسی نام سے بلاتے تو میں رونے لگتا۔ وہ

ہور رلا تے تد میں کندھاں کے ساتھ ٹکراں مارنے لگتا۔ میری ماں کو کوئی جا کے بتاتا کہ تیرا پھمن کاندھاں سے ٹکراں مار رہیا اے تو وہ روتی ہوئی گھر سے نکلتی اور میری بانہہ پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتی۔ حکیم نے میری نانی کو آکھیا تھا تیرے دوہتے کا جگر خراب ہے. پنج روپئے کی شربتی بنے گی اور دو روپئے کی پڑیاں۔ اس نے گھیو ٹھنڈا نہیں کھانا۔ چھولیاں کی روٹی تے مولی کی چٹنی کھانی ہے۔۔ جد اک مہینہ دوا کھان کے بعد وی فیدہ ناں ہویا تد میرے ابے نے سوٹی کے ساتھ مجھے مارا اور میرے سارے پنڈے تے لاساں پڑ گیاں۔ اس دن چوہدریاں نے میرے ابے کو چوکی بھیج کے میرے ابے کی چھترول کرائی تھی۔ اس کے ناک منہ سے لہو نکلا تھا تو حوالدار نے پوچھا تھا "چوہدری صاحب کے باقی کے تین سو کداں دے گا" تو میرے ابے نے آکھیا تھا "میرے گھر کوئی پیسہ نئیں ناں ای کوئی ٹوم چھلا اے۔ جھوٹی ویچ کے میں ادھے پیسے اتار چھڈے تھے باقی کے وی اتار دیاں گا میری جان بخشی کرا دئیو۔" حوالدار نے میرے ابے تے تین روپئے لے کر دس دن کی معافی دے دی تھی۔ میری نانی کو بہت گھٹ دستا تھا۔ شام کو وہ ٹوہ ٹوہ کے چلتی تھی اور جد گر پڑتی تو گانے لگتی تھی. اللہ ہسامدا مسافرے ولی + بند قہر دا دروازہ کھلے رحم دی گلی۔

(۹) سردار گوردیال سنگھ کے کاکاجی کے پاس سیکل موٹر تھی۔ جدوی وہ سیکل موٹر گلی میں کھڑی کر کے اندر حویلی جاتے. میں اور مھندی نٹھ کے اس کے گول شیشے میں اپنی شکل دیکھن لگ جاتے۔ کاکاجی باہر نکل کے ہم کو ایسے زور کا ٹھڈا مارتے کہ ہمارے سر ہینڈل اندر جا لگتے۔ پھر وہ دبکا مار کے کہتے "پھوسی کیا پھمناں سے جے کر میں نے پھیر تم کو اپنی سیکل موٹر کے نیڑے دیکھیا تو تم سبھناں کو ایس پنڈ سے کڈھوا دیاں گا"۔ کاکاجی ہم سے دھول میں ست ست لکیریں نک سے نکلوایا کرتے تھے۔ مھندی تو فٹافٹ ست لکیراں کڈھ لیتا تھا پر میرے سے دیر ہو جاتی تھی۔ مجھے فکر رہتی تھی کہ اگر میں نے دھیان نہ رکھا تو پیچھے سے میری ہوا سر جائے گی اور کاکاجی دو ٹھڈے اور ماریں گے۔

(۱۰) نانی کہتی تھی توں اپنے ابے کے سامنے ای نہ آیا کر۔ جس طرف اس کی اکھ میں پھولا ہے. اسی پاسے رہیا کر۔

(۱۱) کاکاجی کی چھوٹی بہن جد اس کے پیچھے سیکل موٹر پر بیٹھتی تو اس کی ساری دیہہ ہلتی تھی پر اوپر کا حصہ زیادہ ہلتا تھا۔ پھولوں والی قمیص میں پھول اگڑ پچھڑ ہون لگ جاتے تھے۔ میرا دل کرتا تھا اسے دیکھے جاؤں دیکھے جاؤں۔ جب تک وہ دسّتی رہتی تھی میں کھڑا رہتا تھا۔

(۱۲) جیونی فقیرنی کی جھگی سے بابے لوہار کا کتا باہر نکلا تو اس کے منہ میں جیونی کی آندر تھی۔ میں سمجھیا سنی کی رسی ہے۔ پر جب گھر آ کے میں نے اپنی ماں کو ایہہ گل سنائی تو اس آکھیاں بس بوہیں ناں چپ کر کے رہیں۔ میں پھیر چپ کر کے ای رئیا بالکل نئیں بولیا۔ اگلے دن لوکاں نے نکاں تے ڈھاٹے بنھ کے مری ہوئی جیونی کو جھگی تے کڈھیا۔ پچھے نہ تے پا کے آوے نیڑے ٹویا کڈھ کے جیونی نوں دب دیا۔ میری نانی نے کیا ھن جیونی بھوت بن کے کھجوراں وچ رئے گی تے راہ جاندیاں کو ڈھیماں ماریا کرے گی۔ میں ساری رات سوچتا رہیا کہ کھجوراں کے جناں کے ساتھ اس کا جھگڑا ہوئے گا تو پتہ نہیں اس کو تھاؤں دیں گے کہ نہیں۔

(۱۳) چوہڑوں کی بستی میں نتی چوہڑی کا ویاہ تھا۔ انہوں نے اپنی جھگیوں کے باہر مشالیں بال کے روشنائی کری تھی۔ رات کو ساری چوہڑیاں مل کے ناچتی تھیں اور بھنگڑے ڈالتی تھیں۔ ان کے مرد دارو پی کے بکرے بلاتے تھے اور ڈانگ پکڑ کے اچی چھالیں مارتے تھے۔ بھرائی کرم دین نے زمین تپا کر ان کے لئے ایک بڑا سا روٹ پکایا تھا۔ دو بڑے کڑاہوں میں ایک کتا وڈھ کے اس کی بوٹیاں پک رہی تھیں۔ میں نے نیڑے جا کے دیکھا تو روٹ سے بڑی اچھی خشبو آ رہی تھی پر کڑاھے سے بڑی گندی بو آ رہی تھی۔ میں وہاں سے نٹھ کر

اپنے گھر آنے لگا تو کھیتو چوہڑے نے مجھے پکڑ لیا اور روٹ کا ایک ٹکڑا توڑ کر میرے ہتھ میں پکڑا دیا۔ میں ٹکڑا لے کر نسا نسا اپنی بستی پہنچ گیا۔ گھر جانے سے پہلے میں وہ ٹکڑا کھایا تو بڑا مزا آیا۔ اس میں گڑ بھی تھا اور سونف بھی! کچا پکا آٹا بہت میٹھا تھا پر ٹکڑا جلدی ختم ہو گیا۔ گھر آ کر جب میں نے اپنی ماں کو سارا قصہ سنایا تو اس نے پہلے میرے سر پر دھپا مار کے مجھے کرلیاں کرائیں پھیر آکھن لگی "کسی ہور تے گل ناں کریں کہ میں ٹکڑا کھایا ہیگا۔ اپنے تک رکھیں۔ لوک تینوں اس گام تے کڈھ دیں گے۔" میں بڑا ہریان ہوئیا کہ روٹی کھان نال گاؤں تے کیوں نکال دیں گے!

(۱۴) سردار گوردیال سنگھ نے شہر میں ایک کنجری رکھی ہوئی تھی۔ یہ گل بہت مشہور تھی اور مہارے لوگوں کو اس کا پتہ تھا پر میں نئیں جانتا تھا۔ مجھے ناں تو کسی نے کنجری دکھائی تھی اور نہ ہی بتایا تھا۔ بابے لہار نے بھی ایک ڈبو کتا رکھا ہوا تھا پر اس کا مجھے پتہ تھا۔ ہم سب نے وہ کتا دیکھا تھا۔ جب چڑیاں آ کر بیٹھتی تھیں تو سویا ہوا کتا بھوں بھوں کر کے ان کو پکڑنے کے واسطے ان کے پیچھے نہسنا تھا۔ پتہ نہیں سردار جی کی کنجری بھی چڑیاں پکڑن کو نہستی تھی کہ نیئیں۔ نہستی بھی ہوگی تو بھوؤں بھوؤں نہیں کر سکتی ہوگی۔ میں بھوؤں بھوؤں تو کر سکتا ہوں پر چڑی نیئں پکڑ سکتا۔ اک دن میں اپنی ماں سے کیا "میں نے بھی سردار جی کی کنجری دیکھنی ہے" تو اس نے میرے منہ پر چپیڑ ماری۔ میری ماں ایویں ای چپیڑاں مارتی رہتی تھی۔ اس کو اک دن سپاہی نے پکڑ لینا ہیگا۔

(۱۵) اک دن میں، مھندی، سیکا، بھورا، گاگو، عملی کے نال بیر کھان گئے۔ جد سیکا بیری تے چڑھ کے بیری کوں ہلارے دین لگا تو بڑے موٹے موٹے بیر بھوئیں تے گرن لگ گئے۔ میں اک بیر اچک کے جد منہ اپر کریا تے سیکا اپنی دھوتی وچوں ننگا دسن لگ گیا۔ اوس نے اندر اک لال کچھوں بنھیا ہویا تھا۔ میں کیا ہو کے پچھیہ بیہ چگن لگ گیا۔ چھمن تو میرا ناں تھا پچھیہ اس نے

مجھے کس واسطے اندر بنھ کے رکھیا تھا۔ بیراں وچ سنڈیاں دی تھیں نال کر کل وی تھی۔

(۱۶) میرا ابا میری ماں کوں آکھیا کرتا پٹواری وڈی لیتا ہے اس کر کے اس پاس بڑا ناواں ہے۔ میں اپنی نانی تے پچھیا میرا ابا وڈی کیوں نیئں لیتا۔ ابا وڈی لووے تے ہم بی امیر ہو سکدے تھے پر میری نانی کیا وڈی لینا غریباں کے اختیار وچ نیئیں۔ وڈی وڈھے لوک ای لے سکدے ایں۔ میں کیا "نانی پٹواری کیڑے وچ جان وی پا سکدا اے۔ توں پا سکدی ہے۔" نانی آکھن لگی "پٹوار خانے ناں جایا کر اودھر بلانواں ہوتی ہیں اور چھوٹے منڈیاں کا ساہ پی جاتی ہیں۔"

(۱۷) اک دن میں سفنا ڈٹھا ہئ اسیں امیر ہو گئے ایں تے ہمارے گھر پنج گھوڑے تے اک بگھی اے۔ میرا ابا چھمکاں نال لوکاں کوں مار رہیا تھا تے لوک روئی جاتے تھے۔ بہت ساریاں تیئیاں ہتھ جوڑ کے کھڑیاں تھیں اور میرے ابے کے واسطے حلوہ پکا کے لیایاں تھیں۔ ابا حلوہ کھا کے تھوک رہیا تھا تے گندی گالیاں کڈھ رہیا تھا۔ اک کڑی کہہ رئی تھی انشاءاللہ چھمن کا ابا رل جاسی۔ تباہ ہو جاسی تے مر جاسی۔ میرے ابے نے اس کڑی کوں اپنے نیزے ہو کے بہت ماریا تے اوس دے سر پنج سو روپے چڑھا دتے۔ کڑی کے ابے نے ڈب کھول کے ڈنڈ بھریا تے اپنی دھی کوں نال لے کے چلا گیا۔ میری ماں بگھی وچ بیٹھی تھی تے بگھی کو بھرائیاں کا طوطا چلا رہیا تھا۔ میری نانی کوں میرے ابے نے مار کے اس دا مقبرہ بنایا پھیر دعا منگ کے رون لگ گیا۔ لوکاں سمجھایا کوئی گل نیئں تیرا چھمن جیوندا رہووے۔ ایس سفنے وچ اک کھی میرے نال نال چلدی تھی۔ اس کا ناں مریاں تھا اور اس کی سوتیلی ماں نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ میں کیا فکر نہ کر مریاں میں تیرے نال ویاہ کر لاں گا۔ مریاں ہس کے بولی "پہلے اپنیاں سنتاں تو کرا لے۔" میں اندر جا کے دیکھیا میریاں سنتاں ہو چکیاں تھیں پر مریاں کوں پتہ نیئں تھا۔ باہر آ کے میں مریاں کو دکھایا تو اس کو

یقین آیا۔ پھر آکھن لگی میں تیرا سیہنا اپنے بابے کوں انپڑا دیاں گی۔ اگر تو اوہ من گیا تو ٹھیک ہے۔ نہ منیا تو کہہ دے گا ایانے ہوکے ایانیاں والیاں گلاں کریا کرو۔ بُریاں کے نال نہ بیٹھیا کرو۔ اک دوجے تے کھلا کھلانہ ملیا کرو۔ ہور اپنے بڑیاں کو پھند فریب وچ نہ پایا کرو۔

(۱۸) اک دن بالے نال افضل لڑ پڑیا۔ دونویں اپنے اپنے گھروں ڈانگاں کڈھ لیائے۔ اک دوجے تے وار کرن لگ پڑے۔ اچی اچی گالاں کڈھن نال بکرے بلان۔ افضل نے گھومنی ڈانگ چلائی جو اوہدے ہتھ تے چمٹ گئی۔ میں سرنیواں کر لیا پر میرا اک دند ٹٹ گیا۔ میری ماں نے میرا لہو پونچھیا تے میرے ابے نے سوٹی لیا کے میری ڈاہڈی مرمت کیتی بئی توں لڑدیاں گبھرداں نیڑے کیوں کھلوتا تھا۔

(۱۹) چوہدریاں کی ماڑی میں اک دھوتو والا واجہ ہیگا جس تے کتا بیٹھا ہویا گاؤن سن رہیا اے۔ جد بی بی جی توالا کے گاؤن سندیاں کتا آکے اوہناں کے پیراں وچ بیٹھ جاندا اے۔ میں ڈٹھا تو نہیں پر بی کانے نے ساریاں کوں کھول کے آکھ سنایا ہیگا۔ میرا ماما کہتا ہے "اوئے پھیماں کدی مورت والا کتا وی اپنی تھاں سے اٹھ سکتا ہے"۔ میرے مامے کی میرے نال اڑ پھس ہے۔ اس نے کدی وی میری گل کا ساتھ نہیں دیا۔ اوہ میری ماں کے نبے روپے لے کے نس گیا تھا، اج تک واپس نہیں کرے۔

(۲۰) کھبا فقیر ہمارے گھر کے پچھائیں اک جھگی میں رہتا ہے۔ اس کیاں دو سوانیاں ہیں اور دوہیں منگن کا پیشہ کر دیاں ہیں۔ کھبا فقیر کی گدھڑی کی پوچھل کیڑیاں نے کھا چھڈی تھی اب وہ ہر وقت ننگی رہتی ہے۔ منڈے اس پر چکڑ مل دیتے ہیں پھیر جب وہ موتر کرتی ہے تو بڑا زور لگاتی ہے اور سر اچا کر لیتی ہے۔ ہم سارے ہس ہس کے لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں۔ نمبردار ہم کو ایسا کرنے سے ہٹکتا ہے ساتھ ہی گالاں وی نکالتا ہے۔ نمبردار کی داڑھی میں

وی اک پھوڑا ہے جس میں اک دن کیڑے پڑ جانے ہیگے۔

(۲۱) شاموں مکئی کے کھیت اندر گئی تھی تو اس کو سپ لڑ گیا تھا۔ کرنیل نے گھوڑی بھیج کے کالی بستی تے ماندری منگوایا نال ای درگاہ تے منت منی۔ سارا پنڈ شاموں کے گھر اکٹھا ہو گیا۔ ماندری نے شاموں کا پیر پکڑ کے منہ لا کے زہر چوسیا تے شاموں ہلن لگ گئی۔ سردار گوردیال سنگھ نے کرنیل کوں پنج روپے دے کے کڑاہ بنوایا کہ گرم گرم شاموں کوں کھوا نال اس کی سیوا کر۔ گاؤں کے سارے منڈے کڑیاں بڑی دیر تک کھڑے رہے کہ سیوا کس طرح کری جاتی ہے پر کرنیل نے کوئی وی سیوا نہ کری اپنیاں اکھاں پونچھتا رہا۔ ماندری نے پاتھیاں وچ چھری گرم کر کے شاموں کا زخم داگیا تو شاموں چیکاں مارن لگ گئی۔ ہم سارے اپنے اپنے کوٹھیاں کی طرف نس گئے۔

(۲۲) اک واری بستی وچ سوکھا پے گیا تے سارے لوک گریہ زاری کرن لگ گئے۔ مولوی جی نے باہر بندے اکٹھے کر کے ٹبے تے نماز پڑھائی تے مینہہ ورھن کی دعا کری۔ لوک منہ سر ولپیٹ کے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ چوہدری جی نوں دوپہر ویلے نیلے ابر وچ اک کالا بدل دسیا۔ پر سوائے اوناں کے کالا بدل ہور کسے کوں نہ ڈٹھیا۔ چوہدری جی آکھیا نماشاں ویلے مینہہ ضرور ورسی، اللہ کے حکم نال، پر مینہہ نہ برسیا۔ ساری دھرتی سکی رہی۔ لوک رون ہار ہو کے اپنے اپنے گھراں ماںہہ بیٹھ گئے۔ چھوٹیاں کڑیاں سراں تے بوجھن لے کے بستی وچ جلوس کڈھیا تے باہر جا کے اپنا گڈی پٹولا ساڑ دتا۔ نال ای اچی اچی بین کرن لگ گیاں! توں ورہ دے مینہاں کالیا۔ اسیں گڈی پٹولا ساڑیا۔ جس کڑی کا گڈی پٹولا ساڑا تھا وہ پاولیائی کی دھی تھی اور اس کا بس اک ای گڈی پٹولا تھا۔ اوہ روندی روندی انجو کیردی گھر واپس آئی تے اس کی ماں نے آکھیا "رو نہ صغراں میں تیکوں نواں گڈی پٹولا بنا دیاں گی پر صغراں کا رونا بند نہ ہویا۔ روتے روتے اس کوں تاپ چڑھ

گیا۔ ساری دیہہ کنبن لگ گئی۔

دولو پیکڑ نے منڈیاں کوں اکٹھے کر کے آکھیاں "اگر تاں مینہہ برسن کی ات لوڑ ہے پھیر میری گل منو تے میرے نال چلو۔ اوچیاں رکھاں تے کابراں کے آنڈے لوڑتے ہیں۔ جے کوئی اک آنڈا وی لوڑ لیا یا کام بن جاسی۔ ایسا مینہہ ورسی کہ گلیاں وچ لنگھنا مشکل ہو جاسی۔" سارے مل کے کابراں کے آنڈے لوڑن لگ گئے پر کابر بڑی سیانی قوم ہے. لکا چھپا کے آنڈے دیتے ہیں کسی کو پتہ ای نیئیں ہوتا کہ اس رکھ تے کابر کا آلنا ہے۔ سانجھاں ویلے ہم کوں شربنھ کے اک رکھ تے کاگ کا آلنا مل گیا, پر تھا بالکل اتلی ٹیسی تے۔ ماچھیاں کا منڈا سر تے منڈا سابنھ کے اوپر چڑھ گیا۔ کابراں رولا پا دیا۔ چار چوفیرے رکھ کوں گھیر لیا نال ای بی ماچھی کوں ٹھونگاں مارن لگ گئے۔ اس بڑا حوصلہ کیتا. چڑھ دا گیا چڑھ دا گیا ھور آگے بڑھ کے آلنے کوں ہتھ پا لیا۔ کاگاں بی کیاں بوٹیاں توڑن لگ گئے پر بی کوئی پرواہ نہ کیتی۔ دونویں آنڈے اچا کے اپنی جھگی کی جیب ماںہہ پائے تے اوس رولے جھگڑے. ٹھونگا ٹھانگی وچ تلے اتر آیا۔ ساریاں منڈیاں تریاں مار مار کے بھنگڑے پائے تے بڑیاں خوشیاں کریاں۔ دولو پیکڑ نے آکھیا جھٹ کرو تے ہن ای واپس پنڈ بوڑ چلو باقی کم کل سویرے ہووے گا۔

اگلے دہاڑ دولو پیکڑ نے منڈے اکٹھے کر کے آکھیا "بئ کدھروں اک کانی گدھڑی لوڑو جو اوس دے متھے وچ ایہہ آنڈے مار کے بھناں گے ھور نال ای مینہہ ورسن کی دعا کراں گے۔"

گراں وچ تن ای گدھڑیاں سیگیاں تھیں۔ اک بابے سلیمان کی. اک باگی کمھار کی اور تیجی کالو پنسال نویس کی پر تنوں ای سجکھیاں تھیں کانی کوئی بی نیئیں تھی۔ دولو بولیا "فکر نہ کرو۔ میرے کول اک ترکیب ہے۔ پہلے گدھی کانی کراں گے پھیر اوہندے مستک وچ آنڈے مار کے بھن لیں گے۔ ایہہ کوئی مشکل نئیں۔ پہلے ایہہ بولو کہ سب تے ودھ بوڈی گدھڑی کس کی ہے؟"

منڈے بولے سب تے بوڈی ہور پرانی گدھی تو باگی کمھار کی ہے۔ لنگڑی وی اے ہور انھی وی۔ باگی کوں مہینہ بھر پتہ ای نیئیں چلنا کہ اوندی گدھی کانی ہو گئی اے۔ اک پاسے دیکھ ای نیئیں سکتی۔

دولو دو منڈیاں کوں آڈر لایا۔ اک منڈا میں اور دوسرا منڈا مراسیاں کا۔ ہم نے بانس کی اک کمان بنائی اندر اک تندی بنھی۔ نال کانیاں کے ست تیر بنائے۔ آگے ککر کی موٹی سول لگائی۔ سول کنے لال ڈوری بنھی تے حکم مطابق چل پئے۔ باگی کمھار کی گدھی سکے کھیت وچ سکے جھاڑ کھا رئی تھی۔ اگلے پچھلے پیر وچ رسی بنھی ہوئی سی۔ اگے ای بھکاں تکلیفاں کی ماری تھی رسی نے ہور وی مجبور کر رکھیا تھا۔ اوس سر اچا کے ہماری طرف دیکھیا۔ مراثیاں دے منڈے نے جوڑ کے تیر ماریا۔ پہلا نشانہ ای ٹھکانے تے لگا۔ گدھی تڑفی. چکرائی پھیر گوڈاں بھار ہو گئی۔ ہم دوئیں نیویں ہو کے دیکھیا گدھڑی کانی ہو چکی تھی۔ شرط پوری ہو گئی تھی۔ اتھائیں نس کے ہم نے اپنے بیلیاں کوں خبر انپڑائی کہ گدھڑی کانی ہو چکی اے آنڈے لے کے چلو۔

دولو پیکڑ کی پیروی ماںہہ ہم سارے گدھڑی کے سرہانے پہنچ گئے۔ موہنی کے بھرا ہردت نے بڑے حساب نال آنڈا پھڑ کے گدھی کے مستک تے چلایا تے آنڈا پھٹ گیا۔ پھیر دوسرا چلایا اوہ بی پھٹ گیا۔ سارا مادا گدھڑی کے متھے تے وگ کے اس کیاں ناساں ماں آ گیا۔ گدھی گھبرا کے اٹھ کھڑی۔ اسی نال وچ اک چھوٹی بدلی گھم پھر رئی تھی۔ آنڈے ٹوٹنے نال ای وہ بھی غائب ہو گئی۔ مہینہ بھر ہمارے گراں وچ مینہہ کی اک بوند بی نہ اتری۔

(۲۳) میرا ابا مسیت وچ نفل پڑھنے گیا۔ میں باہر ٹوٹی اینٹوں پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ نہ میں کوئی شرارت کری نہ کسی کے ساتھ بولیا تے اک بھونڈ مسیت کے ستاوے تے نکل کے میری اکھ تے لڑ گیا۔ میں زور کی چیک ماری تے میرا ابا نیت توڑ کے باہر بھجیا آیا۔ جد اوس کو پتہ لگتا کہ میرے بھونڈ لڑیا اے تے اس نے مینوں ماں کی گالی دے کے اک ہورا ماریا اور

بولیا "بہن کیا یار! بھونڈ لڑیا اے کوئی سپ تو نہیں لڑ گیا۔ لے کے میری نماز خراب کر دیئی۔" تن چار دن میری اکھ سجی رئی۔ نانی نے پانی وچ لون پا کے ٹکور کری پر کوئی فیدہ نہ ہویا۔ نانی کے ہتھ ہر وقت کنب دے رہتے ہیں۔ اس سے کوئی چیز نئیں پکڑی جاتی۔

(۲۴) جد چوہدری جی اپنے شکاری کتے لے کے شکار کھیلن گئے تد سارے ای اوہناں کے پچھے پچھے چل پڑے۔ چوہدری صاحب سبھناں کوں اک گندی گالی دے کے ہٹک دیا۔ میں نئیں رکیا ہولی ہولی وگدا رئیا۔ چوہدری صاحب اک ڈھیم اچا کے میرے گنے کھچ کے ماری۔ میرے موہڈھے تے لگی مجھے رکنا پڑا۔ میں دل وچ آکھیا اللہ کرکے چوہدری مر جاوے کوئی شکار ہتھ نہ آوے۔ میری گل پوری ہوئی۔ چوہدری صاحب کوں کش نہ لبھیا۔ خالی ہتھ پرت کے آئے۔ لوک ہسن لگ گئے۔ چوہدری صاحب کوں زہر چڑھ گیا۔ پہلے تے وڈھے شکاری کتے کوں سوٹیاں نال کٹیاں پھیر اس کو موٹر پچھے بنھ کے موٹر چلا دتی۔ اول اول کتا موٹر نال نسیا پھیر ہف گیا۔ بھوانٹی کھا کے بھوئیں تے ڈگیا پھیر نال ای گھسرن لگ گیا۔ بڑی دھوڑ اٹھی بڑا رولا پیا۔ کتا وچارا پرانی بوری ہار لیر لیر ہو گیا۔ زور مار کے پھیر اٹھیا پھیر ناٹھیا پر مشکل پڑ گئی تھی ہور سارا وجود ٹٹ گیا تھا۔ پنجے جھٹ گئے. منہ چھلیا گیا۔ لہو کیاں دھاراں چلن لگ گیاں پر چوہدری صاحب موٹر ناں روکی۔ سدھی نہر والی پٹڑی تے لے گئے۔ کلی دب کے دھوئی گئے۔ جداں کتا خالی جھولے طرح کھڑکن لگ گیا, چوہدری صاحب موٹر روکی۔ رسی کھولی۔ مرے کتے کوں اک ٹھڈا ماریا۔ غصے نال اس تے تھکیا تے واپس آ گئے۔ ساری بستی دے لوگ تراہ گئے۔ کسے نے وی کوئی گل نہ پچھی کوئی سوال نہ کریا۔ کاندھاں کے نال چوہے کر لے بن کے لگ گئے۔

(۲۵) جداں سردار گوردیال سنگھ کی کنجری مری. سردارنی نے چوری چوری مٹھیائی ونڈی۔ میری ماں کو وی چار لڈو ملے۔ سردار صاحب اپنی بیٹھک وچ کیس کھول کے سیاپا

کرنے لگ پڑے۔ اوہناں کے رون کی واج دور دور تک آ رئی تھی۔ کاکا جی سیکل موٹر لے کے باہر چلے گئے۔ میرے ابے نے میری ماں کوں آکھیا کاکا جی دارو پین گئے ہیں نال اپنے بابو کا گسہ اتارن کے واسطے گانا سنن گئے ہیں۔ میری ماں پچھیا گاؤن والیاں کتنے کو پیسے بنا لیتی ہیں تو میرے ابے نے بڑی گہری نظر نال میری ماں کو دیکھیا پر کوئی جواب نہ دئیا۔ میری ماں شکل کی بھانویں مجبور تھی پر گان میں بڑی سریلی تھی۔ سارے ویاہ شادیاں اس کے باہجھ سرے ای نئیں چڑھتے تھے۔ دوسرے گراں کے لوک وی منتاں کر کے میری ماں کوں گھوڑیاں گوان لے جاتے تھے۔ جوڑے وی دیتے تھے ہور نانواں وی. نال گھوڑی تے چھوڑ کے جاتے تھے۔ دو دن پچھوں جد سردار جی بہت بیمار ہو گئے تو اوناں کے گھر والے اوناں کوں ہسپتال داخل کران لے گئے۔ ڈرائیور شہر تے آ کے خبر دئی کہ جس ہسپتال وچ سردار صاحب کی کنجری موئی تھی اسے ہسپتال وچ سردار صاحب داخل ہوئے۔ پر منجے تے بیٹھتے ای صندلاں کوں ہاکاں مارن لگ گئے۔ میں مھندی کوں باہر بیری تھلے لجا کے آکھیا کنجری کا ناں صندلاں تھا پر تیں کسے تے بات نہ کریں نہ ای میرا ناں بتائیں۔ پتہ چل گیا تو آپاں دواں کوں بڑی مار پے سی۔ مھندی آکھیا میں کوئی کجان تو نئیں جو گل بتا کے ہڈیاں تڑوالووں۔ مھندی نے شام تے پہلے پہلے سبھناں کوں بتا دیا۔ میں ڈر کا ماریا بشر کے کوٹھے ماں جا کے لک گیا۔ توڑی کے ڈھیر دو ککڑیاں بیٹھی تھیں۔ ایک کے تلے آنڈا تھا دوسری کا آنڈا ادھ وچکار تھا۔ توڑی ہور ککڑی کی ہور آنڈے کی خشبو بہت اچھی تھی۔ میں بیٹھا بیٹھا ای سو گیا۔

(۲۶) پہلے مجھے کڑیاں بہت بری لگتی تھیں۔ بات بات پر بھیں بھیں رونے لگتیں اور اپنی ماں کو بلانے لگ جاتیں۔ پرسوں سے مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے, کڑیاں اچھی لگنے لگی ہیں۔ دارو ان سب میں اچھی ہے۔ اس کی ناک میں تیلی ہے اور اس کے بال بہت لمبے ہیں۔ کل وہ روتی ہوئی اپنے بوہے سے نکل رہی تھی تو میرا دل بند ہو کے رہ گیا۔ اس کا چھوٹا بھرا بیمار ہے اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ جے کر وہ مجھے اپنا بھرا بنا کر اپنے گھر میں رکھ لے تو میں

راضی ہوں۔

(۲۷) ہم آوے کے پاس کھجوروں کے نیچے بیٹھ کر گندی گندی باتیں کرتے رہے۔ میرا خیال ہے جن بھی ہماری باتیں سن کر خوش ہو گئے تھے کیونکہ اوپر سے چار پانچ مٹھی مٹھی کھجوریں انہوں نے ہمارے واسطے گرائی تھیں۔

(۲۸) چاندنی رات میں میں بالکل اکیلا نہر پر چلا گیا۔ گھر میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔ میرا باپ بیمار تھا اور میری ماں نہال چند کی دھی کے شگنوں پر گاؤن گانے گئی ہوئی تھی۔ نہر کے اندر، جدھر سے نہر آ رہی تھی، پل کے نیڑے ایک آدمی نہر کے اندر سے ابھرا ہور ابھرتا ہی گیا۔ اس کے دونوں بانہیں بال کنارے کی طرح کھلی ہوئی تھیں اور اس کا منہ اوپر کو تھا۔ پتہ نہیں اس کے داڑھی تھی یا نہیں پر اس کے کیس کھلے ہوئے تھے۔ وہ اوپر ہی اوپر اڑتا گیا اور چاند میں چلا گیا۔ چاند میں پہنچ کر اس نے اپنے دونوں جوتے اتار کر تلے بھوئیں کی طرف پھینک دیئے پر مجھے وہ جوتے گرتے ہوئے ڈٹھے نہیں۔ اس نے چاند کے اندر بیٹھ کر ایک لمبا سجدہ کیا اور پھر اٹھ کے چاند کی دوسری طرف چلا گیا۔ میرا دل کرتا تھا کہ میں واپس بستی میں جا کر سب کو یہ بات بتاؤں پر میں کوں پتہ تھا کہ کسی نے میری بات کا اعتبار نہیں کرنا اور میں کوں ای جھوٹا آکھنا اے۔ جد میں پرت کے گھر آیا تو میرا ابا منجے تے اتر کے ایک کچے میں موتر کر رہیا تھا اور بخار تے ہونگ رہیا تھا۔

(۲۹) میں نے دارو کو آکھیا اج شام کرم شاہ کی نیائیں میں میرے کوں اک واری مل۔ وہ نماشاں ویلے میرے کوں کرم شاہ کی نیائیں میں ملی۔ پچھن لگی کی کام اے۔ میں آکھیا کوئی کام نہیں تو اوہ واپس چلی گئی۔ مجھے سچیں کوئی کام نہیں تھا۔

(۳۰) چوہدری صاحب کے وڈھے سلیشن کتے اپنے پچھے کے زور تے بھونکتے تھے۔ جتنے

زور تے بھونکتے اتنے ای ان کے پچھے ٹیٹ ہو جاتے تھے۔ چوہدری صاحب کے منڈے ان کے پچھوں میں ویسلین کی انگل لا کے تماشا دیکھتے تھے۔ جد وہ بھونکتے تو ان کی پھوک نکل جاتی نال ای آواز بی مدھم ہو جاتی۔ جد ہم یہ تماشا دیکھتے تو اساں کوں ماں بہن کی گالاں کڈھن لگ جاتے۔ وڈھے کوٹھے میں بوہے ڈھو کے نال فرش تے تیل چوپڑ کے جد کتوں کوں نساتے تے اوہ تلک تلک کر اپنا منہ متھا بھنجا لیتے تھے۔

(۳۱) عبدو ترکھان کے کبوتر صرف جمعہ کے دن نہاتے تھے۔ عبدو آکھتا تھا کہ ایہہ سائیں جنور ایں جمعہ کوں نہا کے وضو کرتے ہیں۔

(۳۲) وڈھے پنڈ شاہ مہاتر کے عرس تے اک سرکس آیا۔ اس پاس تن شیر، ست گھوڑے اور پنج لیڈیاں تھیں۔ دن ویلے لیڈیاں ستھناں پا کے سالولے کے روٹی ہانڈی کرتیاں تھیں۔ ساریاں ای بوڈیاں بوڈیاں سوانیاں تھیں پر رات کوں لیڈیاں بن کے بالکل کسیاں جاتیاں تھیں۔ اعتبار ای نہیں آتا تھا کہ اوہی زنانیاں ہیں۔ چھالاں وی مارتیاں تھیں اور لوہے کی تار پر آوا جاوی کر کے بی دکھلاتیاں تھیں۔ بگیاں وردیاں مانہہ اونہاں کے سر پر بہت ای پیارے لگتے تھے۔ دل کرتا تھا جا کے اوھناں کوں جپھا ڈال لوئے اور پھیر کدی نہ چھوڑے۔ اک سوانی بھوئیں تے ابھر کے سرپٹ گھوڑے تے چڑھ جاتی تھی تے ہتھ خالی چھڈ دیتی تھی۔ نہ لگام نہ رسہ نہ تنگ کوں پکڑن کا سہارا۔ پھر اوسی طرح سرپٹ گھوڑے کی پٹھ تے اتر وی آتی تھی۔ اک ہور سوانی وی تھی۔ مدھرے قد کی۔ گول بدن کی تے گورے رنگ کی۔ اوہ وڈھے شیر ببر کے ساتھ پہلے تو کشتی کرتی تھی پھیر اس کے گل ماں بانہاں ڈال کے لاڈ لڈان لگ جاتی تھی۔ اک باری شیر کے نونہہ وچ اس کی بنیان پھس گئی تے پتلون وچوں باہر کچھ کے ہڈیاں تک پہنچ گئی۔ لوک بکرے بلان لگ گئے تے شیر کچا ہو کے دوسرے پاسے دیکھن لگ گیا۔

(۳۳) میں اپنے گھر والیاں کو پتہ دئے بغیر سرکس وچ نوکر ہو گیا۔ اوھناں میرے کوں دی روپئے ہور روٹی وردی دینا کری۔ کم بہت زیادہ تھا پر میری مجبوری تھی۔ ٹکٹاں دین والا گھبرو مجھے اپنا بیٹا لگتا تھا۔ اوہی شکل اوہی نک نقشہ میرا ای مہاندرا۔ پر مینوں اس بابو کا ناں معلوم نئیں تھا۔ معلوم ہی کس طرح ہوتا اوہ کوئی سچ مچ تے میرا بیٹا نئیں تھا ناں۔ پھیر میں خود ہی اس تے چھ ست سال چھوٹا تھا پر اس کے میرا بیٹا ہون میں کوئی شک نہیں تھا۔ میں اس کے بوٹ پالش کرتا۔ کپڑے وردی صندوق وچوں کڈھ کے لایا کردا۔ اس کے واسطے پانی گرم کرتا۔ چاہ بناتا۔ سگرٹ لے کر آتا۔ پر میں اس کو پتہ نہیں لگنے دیا کہ اوہ میرا بیٹا اے۔ جیسی محبت میرے دل وچ اس کے واسطے تھی، ایسی میرے ابے کی میرے واسطہ نئیں تھی۔ پتہ نئیں کیا وجہ تھی میرا ابا مجھے دل تے پسند نہیں کرتا تھا حالانکہ میں اپنے بیٹے خاطر سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔ میرے اور میرے ابے وچ بڑا فرق تھا۔

(۳۴) ہاتھی والا رنگ ماسٹر مدھری سوانی کے نال پھسا ہوا تھا اور سارے لوک ای جانتے تھے۔ پر جد میرے کوں ایہہ پتہ چلیا تے میں دکھ نال رون لگ گیا۔ اک دو باری میں گھوڑیاں کی چھولداری میں اپنا سر پٹ کے سیاپا وی کریا پر مدھری کوں ملوم نہ ہو سکیا کہ میں کس واسطے سیاپا کریا تھا۔ ہاتھی والے رنگ ماسٹر دی شکل سور جنی تھی۔ اوہ دن میں دو باری داڑھی شیو کرتا تھا۔

(۳۵) جد سرکس کمپنی میلہ چراغاں تے لہور آئی تے میں نے جٹ لوگوں کی گالڑ بجاتے. بھنگڑا پاتے ہور گندی گندی بولیاں گاتے سنا۔ دور دور کے پنڈاں کے سکھ جٹ لہور شہر کے بابواں کا مقابلہ کرن بڑی بڑی ٹولیوں میں چاروں پاسیوں انپڑتے تھے پر بابو لوگ ان کو ہرا دیتے تھے۔ بابواں کی بولیاں ات گندیاں ہوتی تھیں۔ ان کے اشارے ہور وی گندے ہوتے تھے۔

(۳۶) شہر کے سارے ای لوک ہر روز نہاتے ہیگے۔ کئی کئی زنانیاں دن وچ دو باری نہاتی ہیں۔ ان کی دیہہ سے بڑی اچھی خشبو آتی ہیگی تے اوہ ہور طرح چلتی ہیں۔

(۳۷) اج میں میلے کی اک دوکان تے سوڈا واٹر کی بوتل پی کے دیکھی۔ میرے اندر دھواں بھر گیا تے وڈا سارا ڈکار بن کے نکلیا۔ میری نک وچوں پانی کی دھار نکلی ہور اندر تے بی اک آواز آئی۔ میں ڈر کے مارے اک کاندھ نال لگ گیا۔ کئی لوک بھوئیں پر بیٹھے پیشاب کر رہے تھے۔ میں ڈر کے مارے قے کر دئی تے اک سکھ ماں بہن کی گلاں کڈھن لگ گیا۔

(۳۸) اک دن سویرے سویرے میں سرکس چھڈ کے نس گیا۔ نال ای مینہ برسن لگ گیا تے میں اک میسیت وچ بڑ گیا۔ میرے بیٹھن نال صف بھج گئی تے مولوی نے میرا کن پکڑ کے مینوں باہر نکال دیا۔ باہر نکل کے میں ہور وی بھج گیا تے مینوں سیت چڑھ گئی۔ اک دوکان کے تھم نال کھڑے کھڑے دیکھ کر دوکاندار نے میرے تے میرا ناں پچھیا تے میں کیا میرا ناں پھمن ہیگا۔ میرا ناں سن کے سارے ای ہسن لگ گئے۔

(۳۹) پورا اک مہینہ میں لہور وچ رہتا رہا۔ داتا صاحب کی درگاہ تے لنگر کھا کے سارا دن میں گلیاں بازاراں وچ پھرتا رہتا۔ رات کوں درگاہ کی پوڑیوں کے نیڑے سو جاتا۔ ہور وی کئی فقیر لولے لنگڑے بے گھرے بے درے لوگ اس تھاں سوتے تھے۔ سارے ای بدماش تھے پر ان میں کوئی کوئی بھلیرا آدمی دی ہوتا تھا جو مجھے بچا لیتا تھا۔

(۴۰) شہر میں میری دوستی غفورے ڈریور نال ہو گئی۔ غفورے کی گھر والی کا نام تاباں تھا پر سارے اس کو دھموڑی کہہ کر بلاتے تھے۔ دھموڑی کی کمر بہت ہی باریک تھی۔

اپر کے دھڑ اور ہیٹھلے دھڑ منے بس اک دھاگا جیسا تھا۔ تاباں جب چلتی تھی تو اس کی کمر کئی کئی مروڑے کھا جاتی تھی۔ لوک سڑکاں پر کھڑے ہو کے اس کو آتے جاتے ڈٹھا کرتے تھے اور بہت خوش ہوتے تھے۔ میں اس کو تاباں بھین کہہ کے بلاتا تھا اور اس کے سارے کام جلدی جلدی کر دیتا تھا۔ جب وہ چولہے پاس بیٹھ کے روٹیاں پکاتی تھی تو اس کی چوڑیوں سے آواز آتی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ گانا بھی گاتی جاتی تھی۔ میں دور ہوتا تو سر مار کے بلاتی کہ آ جا چلھے حتی نیڑے بہہ جا میرا کوئی کام کر دے۔ میں کہتا "تاں بھین مجھ کوں شرم آتی ہے میں نیئں بہنا۔" وہ اچی اچی ہسنے لگ جاتی نال میرے کو ٹچکریں کرتی۔ جد غفورا گھر آتا تو میرے کو کسی بہانے باہر پھٹا دیتا اور گھر کا بار بھیڑ لیتا۔

اک دن غفورے نے اپنا کچے بھانڈیاں سے بھریا ہویا ٹرک ڈاکٹر ترلوک سنگھ کی دوکان تے چاڑھ دیا۔ شیشے بوتلاں کرچی کرچی ہو گئے۔ ٹرک اندر بڑ کے مریضاں کی کرسیاں تک اپڑ گیا۔ سارے ڈر کے روند مچان لگ گئے۔ پورے بزار بچ رولا پڑ گیا۔ نال ای کراڑ کی دوکان تھی۔ اس کے چھپر کی تھمی ڈبہہ گئی۔ لڈو جلیبیاں کے تھال بھوئیں تے گر گئے۔ دوکاندار نیٹھے نیٹھے تھانے چلے گئے۔ حولدار نے آ کے غفورے کوں گرفتار کر لیا تے اس کوں تھانے لے گیا۔ جد وڈے تھانیدار نے غفورے تے ٹرک چڑھان کی وجہ پچھی تد اوس آکھیا تاباں نے ڈاکٹر ترلوک سنگھ کی دوکان تے پٹیاں دھون کی نوکری کر لی ہے اور بڑا ٹیم اودھر گزارن لگی ہے۔ اس وجہ کر کے میں ڈسپنسری تے ٹرک چڑھا دیا اے۔ کر لو جو کرنا ہے۔ تھانیدار نے کیتا غفورے کو لمبا ڈال کے اس کا چھلڑ اتارو نال ہی اس کا چھیک بند کر دیو۔ تاباں منہ دھو کے پٹی کر کے تھانیدار کنے گئی، تھانیدار فوراً حکم دتا غفورے کوں رہا کر دیو نال ای میرے واسطے ہور تاباں واسطے اندر شربت بھیجو۔

(۴۱) تاباں دو سال تک غفورے نال ہنسی خوشی زندگی گزارتی گئی پر جد غفورے کی ماں فتح گڑھ چوڑیاں سے آ کے اوناں نال رہنے لگ گئی تو تاباں ناراض ہو کے اپنے پیو کے چلی گئی۔ غفورے نے منتاں ترلے کرے۔ واسطے دیئے۔ سفارشیں ڈالیں پر وہ نہ آئی۔

کہتی رہی میرے بھانویں ٹوٹے ٹوٹے کر دیو میں غفورے کے گھر نیئں جانا۔ غفورے نے میرے کو مٹھیائی، اک ککڑی اور اک سرخی کی ڈبی دے کے آکھیا "رب رسول کا واسطہ اپنی بھین تاباں کو بلا کے لیا نیئں تے میں مر جاں گا، غرق ہو جاں گا، انجن ہیٹھ آ جاں گا۔"
میں یکے تے بیٹھ کے تاباں کے گاؤں چلا گیا۔ اوس میرے نال بڑا اچھا سلوک کریا۔ اوس کے پیوکیاں نے اک رومال ھور سوا روپیہ میرے کو سوغات دتا۔ سب نے خوشی منائی۔
میں کیا "چل تاباں اپنے گھر نیئں جاناں؟" کہن لگی "میں نیئں جانا"
میں کیتا "میں ضرور لے کے جاؤں گا۔ غفورے نال میرا وعدہ ہے"۔
آکھن لگی "اک شرط تے جا سکوں گی"
میں کیا "اوہ کی؟"
بولی "غفورے کی ماں میری اور غفورے کی منجی ہیٹھ نہ سویا کرے"
میں آ کے ایہی گل غفورے کو بتا دئی تو اوہنے اپنی ماں کو مار کٹ کے گھر تے نکال دیا۔ تاباں پرت کے واپس آ گئی۔

(۴۲) پہلے میں لک چھپ کے سگرٹ پیتا تھا۔ پھر میں ظاہرا سوٹا لگان لگ گیا۔ جو کوئی وی سگرٹ پی کے راہ بچ سٹ جاتا تھا میں جھٹ اٹھا کے جلدی جلدی دو تن سوٹے مار لیتا تھا۔ سگرٹ کے آخری گھونٹ بڑے رس دار ہوتے ہیں۔ بڑا رش بھریا نشہ ہوتا ہے۔ جانگھوں کے وچکار بڑی کھد بد ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ کئی واری جد میں ٹوٹا بھوئیں تے اچایا، ٹوٹا سٹنے والے نے اپنا بوٹ میرے ہتھ تے رکھ کے پورا بھار دے دتا۔ میریاں چیکاں نکل گیاں۔ لوک اک واری کی سٹی ہوئی چیز وستو تے بی اپنا حق جگاتے تھے۔
(۴۳) لوہے والے کی ہٹی تے اک بندہ اخبار پڑھ کے ہسی جا رئیا تھا۔ اوس نے ہاک مار کے اپنے ساتھی کراڑ کوں بلایا اور ہس کے آکھن لگا سے ہئی اک خبر سن۔ چور نے جلال دین سپاہی کے گھر کندھ میں مورا ڈال کے چوری کری۔ کسے شے کو ہتھ نہ لایا، نہ ای کوئی وستو چرائی۔ ہتھکڑی چرا کے لے گیا۔ ایہہ خبر سن کے دوسرا آدمی بی ہسن لگ گیا۔

پتہ نیئں اس میں چپنے والی کی گل تھی۔ میں اوھناں کا منہ دیکھن لگ گیا۔ اوھناں میرے ولے گھور کے دیکھیا اور کہن لگے "چل بئی اپنا رستہ پکڑ، کھڑا کیوں ہو گیا منہ اٹھا کے!"

(۴۴) میرے کپڑے لیر لیر ہو گئے نال ای میرے پنڈے تے بو آن لگ گئی۔ لوک نیڑے نیئں آنے دیتے تھے۔ اوس ویلے پاکستان بنن کی وارتا آنے لگ پڑی تھی اور لوک بہت خوش تھے۔ میں وی خوش ہو گیا کہ جد پاکستان بنیا اوس دن ساریاں بندیاں کوں نویں کپڑے ملن گے۔ سب کے پیراں وچ موجے ہون گے۔ سب نہائے دھوئے عطر پھلیل لا کے موجیں ماریں گے، خوشیاں کا مینہ برسے گا، کوئی وی میرے کوں ایہہ نہیں آکھے گا چل اوئے پھمناں دفع ہو، اس تھاں کھڑا نہ ہو۔ سب لوکاں کی چوہدری سار عزت ہوئے گی۔ سب لوک چیرے بنھ کے بیٹھیں گے۔ دودھ جلیبیاں کھائیں گے۔

(۴۵) میرے کنے کوئی کم نیئں تھا۔ کوشش بڑی کری پر کوئی کم نہ مل سکیا۔ پھر میں منگتا بن گیا۔ لاریاں کے اڈے جا کے خیریت منگن لگ گیا۔ لوک پیسہ نیئں دیتے تھے، خالی جھڑکے دے کے فارغ کر دیتے تھے۔ اڈے تے حلوائیاں کی دو کاناں سامنے پھٹیاں ہیٹھ سٹے ہوئے جھوٹے ڈونے ڈھنڈول ڈھنڈول کے آلو چھولے، کچیاں پوریاں، حلوے کیاں پھٹکیاں نگلتا رہیا پر میری دیہہ کمزور ہو گئی۔ شکل صورت رہڑ گئی پر خیرات نہ مل سکی۔ اک سپاہی نے میرے تے پیر دبوائے، ٹانگیں گھٹوائیں، سر تے تیل کی مالش کروائی پر جد میں اوس تے اک آنہ منگیا اوس نے چپلی اتار کے میرے سر تے کھلے مارے اور بولیا "جیب کتریاں وچ پکڑ کے چالان کر دیا گا۔ جا دفع ہو جا۔" میں دفع ہو کے اک پلی کے ہیٹھ جا کر بیٹھ گیا۔ بڑی ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ میکوں نیندر آ گئی۔

(۴۶) جد پاکستان بن گیا تد میں سائیں کا ناں لے کے خوشی خوشی اپنی بستی پرت آیا۔ راہ وچ کس نے وی نہ پچھانیا کہ پھمن ہیگا۔ میری شکل پہلے تے بہت خراب ہو گئی تھی۔ پھیر منگتا ہونے کی وجہ تے میرا اپنے وجود نال سلوک بی اچھا نیئں رہ گیا تھا۔ لنگ مار کے چلنا،

کوڈے ہو کے پھرنا، ہیٹھاں ڈگیاں شیئاں اچا کے کھانا، رو رو کے وارتا کرنی، ہس ہس کے بے شرمی ٹالنا۔ جد میں بستی وچ اپڑ کے اپنی گلی اندر وڑیا اوس وقت نماشاں کی بانگ ہو رئی تھی۔ میں ماسی کرموں کوں سلام کریا۔ اوس جھٹ اٹک کے میرے ول دیکھیا پھیر اگے چلی گئی، میرے سلام کا جواب نہ پلٹایا۔ میں کیا سبھناں کوں کیا ہو گیا ہے جو میرے کو پچھانتے ای تیئں۔ اگے ودھ کے اپنے گھر کی سردل تے رک کے میں اپنی ماں کوں ہاک ماری نال ای میرا رونا نکل گیا۔ میری ہاک سن کے اندر تے اک اچا لما لاکھے رنگ کا جنا باہر نکلیا۔ ہتھ وچ ڈانگ، سر ننگا، پیراں وچ ملتانی کھلے، تیل لگے کنڈلاں والے بال، دسوندھا کا ڈھا ہویا۔

میں کیتا "میرا ناں پھمن ہے"

آکھن لگا "پھمن کون؟"

میں کیتا "نورو ماچھی کا پتر، عمری بھرین کا منڈا"

کہن لگا "نورو ماچھی کو پنج سال کی قید بول گئی اے ہور اس گھر کے لوک بستی چھڈ کے چلے گئے ہیں۔ ایہہ گھر میں خرید لیا اے۔ میری ملکیت بن گیا ہے۔ اندر میرا ٹبر آباد اے، اگے بول۔"

میں پچھیا "سائیں، آپ کوں علم ہے کہ اوہ لوک کدھر گئے ہیں؟"

آکھن لگا "میں کوں کیا لوڑ ہے اوھناں کی خبر رکھن کی۔ پتہ نہیں کدھر مرکھپ گئے!"

پھیر اوس مڑ کے بار ڈھویا اور کنڈی لا کے اندر چلا گیا۔

(۴۷) اپنی بستی تے باہر نکل کے، راہ وچ میں اللہ کی شان دیکھی۔ کیکر کے ایک پرانے رکھ اندر گھگی کے آلھنے میں دو بوٹ تھے۔ دونوں بڑے ہشیار تھے۔ بڑے خوش تھے۔ گھگی اوھناں کو چوگا بھرا رئی تھی ہور ایدھر اودھر دیکھ رئی تھی بئی کوئی ویری تو نیئں جو بچیاں کا نقصان کر جائے۔

(۴۸) پاکستان بنن کی خوشی میں اک پوری بستی اجڑ پجڑ کے شاملات میں بیٹھ گئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ایانے بھنبھریاں لے کے اک دوجے کے پچھے نسے پھرتے تھے نال رولا ڈال رئے تھے۔ میں اوہناں کے ڈیرے پہنچ کے اک روٹی کا سوال کریا۔ اک ترکھے بڈھے نے میری ول گھور کے آکھیا "پتا ہیاں تھیں روٹی کا سوال کر کے تیرے کوں شرم حیا کوئی ناں آئی؟ بے غیرتا! ایہہ سب برباد ہو کے، عزتاں لٹا کے آئے ہیں۔ ایناں غریباں سنگ روٹی کدھر! جا دفع ہو جا!!"

میں دفع ہون لگ گیا تد اک سوہنی کڑی نے میکوں روک کے آکھیا "لے ویر روٹی لے"۔

روٹی لال تھی، چھرے باجرے کا آٹا ملیا ہوا تھا۔ پر اوس کڑی کے ہتھ بڑے گورے تھے۔ لگی "ویر تو فقیر ہے؟" میں آکھیا "نہیں میں نورو ماچھی کا پتر ہوں۔ پورے اٹھ کلے ہماری زمین تھی، لوک کھا پی گئے۔ میں فقیری لے لئی۔ مرے ماں پیو پتہ نہیں کدھر چلے گئے۔ جد سب کچھ ای ختم ہو گیا تد میں سوچیا کہ ارے جھگی پا کے بیٹھ رہاں گا۔ کوئی دے دے گا تو کھالیا کروں گا، نہیں دے گا تے بھکھا ای سو جایا کروں گا۔ ویلا جو گزارنا ہوا۔"

اوس آکھیا "توں ایدھر ای جھگی پا لے"

میں کیا "ناں! تیرے لوک میکوں مارن گے۔ ارے تے کڈھ چھڈیں گے۔"

(۴۹) میں پرت کے لاریاں والے اڈے تے آ گیا۔ لوکاں کا سمیان اچا اچا کے تانگیاں وچ رکھن لگ گیا۔ دوسرے پانڈیاں نے میکوں پکڑ کے ماریا۔ لہولہان کر چھڈیا۔ جد میں بے ہوش ہو گیا اوھناں مجھ کو اچا کے کمہاراں کے گدھڑیاں منے روڑی تے سٹ دیا۔

(۵۰) آدھی راتیں جد کمہاراں کا گدھڑا رنگیا تد میری اکھ کھلی۔ میں ایدھر اودھر نگہ

پھیر کے دیکھیا، نہ میری ماں نہ پیو نہ نانی نہ کوئی ہور۔ دھکے دھوڑے کھان واسطے میں اک باری پھیر جمنیا تے اچی اچی رون لگ گیا۔ کسی نے بی ہاک مار کے نہ پچھیا کہ "کی ہویا اے!"

❋